

قتال؛ کفار کی ذلت کا واحد ذریعہ

﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْرِجُهُمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۖ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۖ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾ [التوبة: ١٤، ١٥]

”ان سے لڑو! اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کر دے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور اہل ایمان کے سینوں کو شفا دے گا۔ اور ان کے دلوں کی برہمی ختم کر کے (ان کے کلیجے کو ٹھنڈک بخشنے گا) اور اللہ جس پر چاہتا ہے رجوع کرتا ہے اور اللہ دانا اور حکمت والا ہے۔“

انسان کیا ہے اور اس کے امن و اتحاد کی بنیادیں؟

۱: انسان کیا ہے؟ زندگی کے سارے سلسلے میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو اخلاقی نیک و بد کا شعور رکھتی ہے۔ یہ اس کی وہ مخصوص فطرت ہے جو اسے سب انواع حیوانات کے مقابل ایک امتیاز دیتی ہے اور جو اس کی شرافت کی واحد بنیاد ہے۔

۲: امن انسانی کی بنیاد (الف): خالق کائنات وہ ہستی مطلق ہے جو تمام صفات کمال سے متصف ہے اور از ازل و نقائص سے پاک ہے اور انسان کی اخلاقی فطرت کی معبود و معبود صرف یہی ہستی کامل ہو سکتی ہے جو انسان کی ساری اخلاقی صلاحیتوں کی تربیت کرتے ہوئے اس کی سیرت کی تکمیل کرتی ہے۔

(ب) انسان کی اخلاقی فطرت اور خالق کائنات کی صفات کمال کو جوڑنے کا کام عبادت کرتی ہے جو انسانی تخلیق کا مقصد و حید ہے: ”ہم نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“ (القرآن)

(ج) دنیا وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی اخلاقی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے۔ دنیا دراصل عاقبت کی تیاری کا زمانہ ہے۔

(د) اس اخلاقی تکمیل کے بعد انسان حیاتِ اخروی میں داخل ہوتا ہے جہاں اس کی ساری کی ساری وہ تمنائیں پوری کر دی جاتی ہیں جو حیاتِ دنیا میں اُس کے سینے میں پیدا ہوئی تھیں اور جن کے پورا ہونے کا دنیا میں کوئی امکان نہ تھا۔

(ه) ایک شدید انتباہ: انسانی شرافت و کرامت و فلاح کا دار و مدار صرف اس کی اخلاقی تربیت و تکمیل ہے۔ حیوانات کے نسلی و خونی امتیاز کے مقابل صرف یہی اخلاقی تربیت و تکمیل ہے جو انسان کی شرافت و علوم تربیت کی بنیاد ہے۔ اور انسان کے منزل و انحطاط و ارتداد کی ساری بنیاد اخلاقی شرافت کو نظر انداز کرتے ہوئے خونی و نسلی شرافت کو اپنی شرافت و امتیاز کی بنیاد بنانے سے شروع ہوتی ہے اور پھر نوعِ انسان کو حیوانات کی طرح لا تعداد کنبوں میں تقسیم کرتے ہوئے حیوانات کی طرح ایک جنگ مسلسل میں مبتلا کر دیتی ہے۔ حالانکہ نوعِ انسانی ایک ہی کنبہ ہے۔ ”یہ کائنات انسانی ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کو پالنے والا ہوں، لہذا میری عبادت کرو۔“ (القرآن)

گویا لامذہبیت کی بنیاد نسل پرستی ہے اور مذہب انسانی کی بنیاد نسلی و خونی امتیاز کو دبا تے ہوئے خالص اخلاقی بنیادوں پر نوعِ انسانی کے نظم و نسق کو بحال کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ نظم و نسق ہے جسے اسلامی اصطلاح میں ”خلافت علیٰ منہاج النبوة“ کہا گیا ہے اور جسے عالم گیر طور پر بحال کرنے سے امن و سلامتی انسانی کا قیام ممکن ہے اور کوئی صورت نہیں ہے۔ آج وحدتِ انسانی کا سوال ساری انسانی دنیا کی موت و حیات کا سوال بن چکا ہے، لہذا اُمتِ اسلامیہ کے علماء و صلحاء کے لیے موقع ہے کہ وہ اسلام کے نظامِ خلافت کی دعوت کو زندہ کرتے ہوئے اسے وحدتِ انسانی کے پیغام کی حیثیت سے دنیا کے سامنے لائیں۔

(صوفی نذیر احمد کاشمیری)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سہ ماہیہ
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک احمد ریشکا داعی و ترجمان

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

28 صفر المظفر 1434 ھ جمعۃ المبارک 11 تا 17 جنوری 2013ء

شماره: 02 جلد: 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم
- مدیر مسئول
- حافظ احمد شاہر

مینجر

• محمد سلیم چنیوٹی

کمپوزنگ

• رضا اللہ ساجد

0333-4611619

0344-4656461

✽ جواہر پارہ

تقال: کفار کی ذلت کا واحد ذریعہ

✽ کلمہ طیبہ

انسان کیا ہے اور اس کے امن و اتحاد کی بنیادیں؟ (صوفی نذیر احمد کاشمیری)

✽ ادارہ

کشف یا التمام؟

2

(حافظ احمد شاہر)

✽ درسی قرآن

تفسیر سورہ یس..... (۵۵)

4

(مولانا ارشاد الحق اثری)

✽ درسی حدیث

غنیۃ القاری، ترجمۃ ثلاثیات البخاری (۶)

8

(تسمیل: حافظ محمد اشرف سعید رحمہ اللہ)

✽ بدعات و رسوم

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

10

(فضل الرحمان)

✽ علوم و معارف

زہد و تصوف اسلام کی نظر میں..... (۴) آخری

11

(ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار فرہانی)

✽ نقد و نظر

فضائل اُبی حنیفہ و اخبارہ..... (۲)

16

(مولانا ارشاد الحق اثری)

✽ تذکرہ علمائے اہل حدیث

مولانا عبدالحق محدث ملتانی..... (۲)

25

(ریاض احمد عابد اثری)

✽ شعروادب

حجہ

(نعمان الحق نعیمی)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال سنگھ برائچ لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-3 7229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی ہرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی

بیت
 القرآن
 لاہور

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

کشف یا القاء؟

وطن عزیز میں آج کل جمہوریت کی بقا کا غلغلہ ہے، اسلام جس کو نظریہ پاکستان کہا جاتا تھا، جس کے نام پر سیاست دان ووٹ مانگا کرتے تھے اور جس کو کبھی اقامت دین، کبھی نفاذ اسلام، اور کبھی نظام مصطفیٰ ﷺ کہہ کر عوام سے قربانیاں مانگی جاتی تھیں اور لیڈروں کے آوازہ پر بلیک کہتے ہوئے ہمارے خیال میں آج تک کم و بیش سینکڑوں مسلمان جانوں کا نذرانہ بھی پیش کر چکے ہوں گے۔ وہ اسلام میدان سیاست میں اب ایک بھولی بھری یاد بن چکا ہے کیونکہ کیا موروثی سیاست دان اور کیا غیر موروثی، کیا مذہبی جماعتوں کے قائدین اور کیا مسالک کے نام پر سیاست میں حصہ لینے والے سب نے شاید ناموس جمہوریت کے تحفظ کی قسم کھا رکھی ہے اور حقیقت ہے کہ ”اس جمہوریت کی بقا کے لیے جمہوریت کے ہر عاشق نے“ اس کی مدت پوری کرنے کا دیوانہ وار حق ادا کیا..... لیکن دیوانہ ایسا جو بکا..... یا یہ مفاد..... خویش ہوشیار رہتا ہے اور اب وہ اس..... مدت پوری..... ہونے پر نازاں بھی ہیں۔ حق بھی اس طرح ادا کیا کہ اپوزیشن فرینڈلی اپوزیشن بنی رہی، اتحادی ہمیشہ موقع بلکہ مفادات کی تاک میں رہتے، خصوصاً عروس البلاد اور اہل شمال کے اتحادی تو کبھی صبح ناراض ہوتے اور شام کو راضی اور کبھی شام کو ناراض ہو کر صبح کو راضی ہو کر..... بہت مزہ اسے لڑائی میں..... جو صلح ہو جنگ ہو کر..... کا منظر پیش کرتے رہے۔ اور دوسرے سیاست دان مفاد پرستوں کے بنیادی اصول ’خیال رکھو یہ عمل پیرا ہوتے ہوئے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے غمغموں غمغموں کرتے رہے۔ طاغوت کا بلا اہل اسلام پر عموماً اور اہل پاکستان پر خصوصاً غراتا رہا اور یہ سب سیاست دان دین و وطن سے بے نیاز حسب توقع سر نیو ہاڑ کے بی بی جمہوریت..... سے مفادات کے استمتاع..... کے انتظار یا توقع میں رہے۔

اس پنج سالہ جمہوری حکومت نے پاکستانی عوام کو کیا کیا؟ ہمارے خیال میں وطن عزیز کو عدم استحکام کی شاہراہ پر ڈال دیا، ڈرون حملوں پر بحرمانہ یا غلامانہ خاموشی اختیار کی، بلیک کو عدلیہ کے استخفاف کا راستہ دکھایا، غربت میں اضافے کا سبب بنی، غیر ممالک میں برسوں میں بنے اعتماد کو مجروح کیا، کرنسی تاریخ کی بدترین سطح پر لے گئی، لوڈ شیڈنگ سے تاریکیوں میں اضافہ کیا، گیس کی قلت سے اور صنعت کی محرومی میں اضافہ ہوا، اس محرومی نے معاشرے کو بے روزگاری دی، خودکش حملوں سے تباہیاں دیں۔ فاسٹ فوڈ..... تیز رفتار کھانے پیڑھ، برگر وغیرہ..... کو غیر معمولی سہولتیں دے کر مشرقی روایات کو تپکٹ کیا اور زر مبادلہ غریبوں کے حوالے کیا، ٹی وی چینلز کی بہتات سے عوام کو فکری انارکی اور ذہنی انتشار پر دیا، موبائل فونز سے وطن عزیز کا کم از کم چودہ ارب روپے سالانہ کاسرمایہ بیرون ملک منتقل کیے جانے کا سبب بنے۔ اور انارکی کے سیلاب سے بد عملی اور اخلاق باختگی، خاندانوں کی تباہی، وقت کا ضیاع اس کے کڑے پھل ہیں۔ اس جمہوری حکومت کی پالیسیوں..... جن کو جملہ سیاستدانوں کی اشیر باد حاصل تھی..... نے عوام کو بدامنی، لاقانونیت، مہنگائی اور..... پانی، بجلی، گیس آئیں نہ آئیں..... ظالمانہ بل دیئے، ہاں البتہ حکمرانوں کو کمیشن نصیب ہوئے، اتحادیوں کو کھل کر کھیلنے کا موقع دیا۔ اسمبلی و سینٹ ممبران کو الائنسز دلوائے۔ استحقاق کا کوڑا ان ممبران کے ہاتھ میں تھما کر رکھا، کروڑوں روپے (کے ترقیاتی فنڈز کے نام) سے ان کو مالامال کیا ان کی..... ڈگریوں کی..... جعل سازی پر خیال رکھوانے کا تمبوتانہ رکھا اور سب سے بڑی بات ہر کسی کے منہ کو حکومت نے اس حد تک بھر دیا کہ وہ اس ”گڈ گورنس“ دیکھ کر کچھ بھی نہ بول سکے۔

انتخابات کا ہنگامہ شروع ہونے والا تھا کہ ناگہانی ایک شیخ الاسلام کو کینیڈا کی شہریت حاصل کرنے کے لیے کینیڈین حکومت کے حضور حلف وفاداری اٹھانے کے ایک عرصہ بعد آئین پاکستان کی وہ دفعات یاد آ گئیں جن میں اسمبلی ممبران کی رکنیت کو دیانت و امانت اور شرافت و صالحیت کی شرط سے مشروط کیا گیا ہے۔ حیرانگی اس بات پر ہے کہ اس آئین کے تحت ہونے والے انتخابات میں ایک مرتبہ انھوں نے خود حصہ لیا، کامیاب بھی ہوئے پھر استعفیٰ دے کر اسمبلی کو خیر باد بھی کہہ دیا تھا۔ یہ سمجھنا تو مناسب نہ ہوگا کہ موصوف کے علم میں آئین کی یہ شق اس وقت نہ ہوگی لیکن انھوں نے بلا چون و چرا اس وقت کے انتخابات میں بھرپور حصہ لیا پھر اس کے بعد وہ انتخابات بھی ہوئے جس کے نتیجے میں موجودہ حکومت قائم ہوئی۔ اس وقت

بھی موصوف اس قسم کا کوئی شرعی اشکال یا اعتراض سامنے نہ لائے۔ اب جب کہ وطن عزیز میں سیاسی و معاشی انقلاب کے نعرے لگ رہے ہیں، جیالے چمک رہے ہیں متوالے لہک رہے ہیں، کارکنوں کی گرم جوشیوں اور جاں نثاریوں کی داستانیں زبان زد عام کی جارہی ہیں اور جناب شیخ کے لانگ مارچ میں شرکت کا اعلان کبھی غیر مشروط کیا جاتا ہے اور کبھی سیاسی مراقبہ کے بعد اس کو مشروط کیا جانا بھی معیوب نہیں رہا تو کہیں یہ تو نہیں کہ اس موقع پر جناب شیخ کسی ”کشف“ کے باعث اس طویل سفر کا کٹ کر کے تشریف لائے ہوں۔ اگر ان کی یہ قدم رنجہ فرمائی واقعی کشف کے باعث ہے تو وہ اس کی وضاحت فرمادیں کیونکہ اہل وطن کے نہاں خانہ خیال میں جہاں اتنے کشف ہیں اک اور سہی۔ لیکن حضرت فرمائیں تو سہی کہ دیانت و صالحت اور صداقت کی یہ شق اتنے سال بعد کسی کشف یا الہام کے ذریعے سطح ذہن پر ابھی ہے یا کسی القاف کا کرشمہ ہے۔

وطن عزیز کے لیے درد دل رکھنے والا طبقہ تو عرصہ سے اس شق کو بروئے کار لانے کے لیے بقدر ہمت کوشاں تھا لیکن حضرت شیخ نے جس طرح اس شق کو نمایاں بلکہ ابھارا یا اچھا لایا ہے یہ کسی کمزور دردمند کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ کام کوئی مقدر کا سکندر..... خدا کرے..... ہی کر سکتا تھا۔

باقی رہی جمہوریت! تو جمہوریت میں اگر موروثیت نہ ہو، دین سے وفاداری ہو، وطن کی خیر خواہی ہو، عوام کے لیے جذبہ رفاہ ہو، انصاف ہو، دیانت ہو، تو پھر اسی نظام حکومت میں بھی خوبیاں ہو سکتی ہیں جس طرح کی مغربی ممالک کی جمہوری حکومتوں میں ہوتی ہیں۔

جماعت اسلامی کے لیے صدمات:

جماعت اسلامی کو سال گزشتہ جاتا جاتا ایک صدمے سے دوچار کر گیا، یعنی جماعت کے ایک قدیم رکن اور قابل احترام شخصیت پروفیسر غفور احمد کراچی میں انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پروفیسر رحمہ اللہ ایک عرصہ تک سیاست کے قومی دھارے میں رواں دواں بلکہ نمایاں رہے ان کی گفتگو بہت نپنی تلی، حشو و زوائد سے پاک، اپنے مقصد کا احاطہ کیے ہوئے محتاط لفظوں اور باوقار اظہار کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ ان کی تقریر اگلی شرافت کا ایسا نمونہ ہوتی تھی جسے سن کر طبیعت خوش ہو جاتا کرتی تھی۔ کارزار سیاست اب ایک عرصے سے ان کی چہکار یا گرمی گفتار سے محروم تھا کہ اچانک ان کے اگلے جہاں سدھارنے کی خبر آ گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر اور ان کی حسنات قبول فرمائے۔

ایسے ہی نئے سال نے آتے ہی قاضی حسین احمد صاحب کی رحلت سے جماعت اسلامی بلکہ اسلامی جمعیت طلباء کو صدمے سے ڈھیر کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ گونا گوں خوبیوں کے مالک تھے۔ عربی، فارسی، اردو اور پشتو میں قدرت کلام رکھتے تھے۔ دوران تقریر آیات قرآنی کے بر محل استعمال اور وضاحت کے لیے کلام اقبال کے ذریعے اظہار ان کی ایسی خوبی تھی جو ان کے وسعت مطالعہ اور قوی الحافظہ ہونے پر شاہد تھی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں، کشمیر، افغانستان، فلسطین، الجزائر، بوسنیا، قبرص اور مصر کے مسلمانوں کے لیے ان کا دل یکساں دھڑکتا تھا۔ نئی نسل سے رابطہ ان کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی ان کا ایسا وصف تھا جس نے نوجوانوں اور جوانوں کو ان کے سانحہ وفات نے افسردہ کر دیا۔ ۲۲ سال تک وہ جماعت اسلامی کے امیر رہے اور..... اختلاف کا حق دیتے ہوئے..... وہ جماعت کو کمروں سے نکال کر میدانوں میں لے آئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر مسالک کے لیے انھوں نے جماعت کے دروازے وا کر دیے اور تمام مسالک کے علماء و قائدین سے انھوں نے قربت بڑھائی۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ مزاجاً انقلابی تھے لیکن انھوں نے تربیت کو اپنے مزاج پر غالب نہیں آنے دیا۔ جماعت اسلامی کی امارت کے بعد انھوں نے متحدہ مجلس عمل تشکیل دی اور اس کی قیادت فرمائی۔ آج کل وہ ملی و بھتیجی کونسل کے تن مردہ میں جان ڈال کر اس کو توانا کر رہے تھے۔ ان کا سیمابنی مزاج انھیں کسی کل چین نہیں لینے دیتا تھا لیکن ان کی یہ بے چینی غلبہ اسلام کی خواہش، مسلمانوں کی خیر خواہی، خدمت اور بین المسالک اتحاد و اتفاق کے دائرے میں محدود ہوتی تھی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی لغزشوں سے انماض برتے اور ان کے اعمال صالحہ کو شرف قبولیت عطا کرے اور آخرت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ ادارہ الاعتصام ان کے خاندان اور جماعت اسلامی سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

الشعر أكذبه“ ”سب سے بہتر شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔“ (مفردات)

بلاشبہ شعر میں جس قدر مبالغہ آمیزی ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ مقبول ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اشعار میں شراب نوشی اور جنسی مواصلت کی حکایت ہوتی ہے۔ کسی اور کی کیا بات، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت نعمان بن عدی بن نضلہ رحمہ اللہ صحابی کو حضرت عمر رحمہ اللہ نے بصرہ کے شہر بیان کا گورنر مقرر کیا۔ وہ شاعر تھے ایک مرتبہ انھوں نے شعروں میں کہا:

”کیا حسنین کو اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب یسان میں ہے جہاں شیشے کے گلاسوں میں شراب کا دور چل رہا ہے۔ جب میں چاہتا ہوں گاؤں کی لڑکیاں مجھے گیت سناتی ہیں اور مجھے رقص و سرود مہیا کرتی ہیں۔ اللہ کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے، ورنہ وہ بُرا منائیں گے اور سخت سزا دیں گے۔“

ہوایوں کہ یہ اشعار حضرت عمر رحمہ اللہ تک پہنچ گئے۔ آپ رحمہ اللہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: مجھے اس سے تکلیف پہنچی ہے۔ اور اسی وقت خط لکھ کر قاصد روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ تیرے اشعار سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ میں تمہیں گورنری کے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔

یہ خط ملتے ہی حضرت نعمان بن عدی رحمہ اللہ حضرت عمر رحمہ اللہ کے پاس مدینہ طیبہ پہنچے اور کہا: امیر المومنین! واللہ، میں نے کبھی شراب نہیں پی، یہ محض شاعرانہ تخیل تھا جو زبان پر آ گیا۔ حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا: تمہارے بارے میں میرا یہی گمان ہے مگر اللہ کی قسم! تم کبھی بھی عامل مقرر نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۳)

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ [یس: ۶۹]

”اور ہم نے نہ اسے شعر سکھایا ہے اور نہ وہ اس کے لائق ہے، وہ تو سراسر نصیحت اور واضح قرآن کے سوا کچھ نہیں تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور انکار کرنے والوں پر بات ثابت ہو جائے۔“

پہلی آیات میں توحید اور اس کے انکار پر منکرین کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔ اب یہاں رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے منکرین کے ایک دعوے کی تردید ہے، چنانچہ کفار رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو غیر موثر ثابت کرنے کے جو مختلف حیلے بہانے کرتے اور باتیں بناتے تھے ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں۔ اس کلام کی اثر پذیری اس لیے نہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے بلکہ یہ شاعرانہ کلام ہے جس سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سرنگوں تھے۔ قرآن کے اس اعجاز کا ایک حل انھوں نے یہ نکالا کہ جیسے بڑے بڑے شعراء کے کلام میں تاثیر ہوتی ہے، محمد ﷺ کے کلام میں بھی تاثیر ہے۔ اس لیے یہ شاعر ہیں، رسول نہیں ہیں۔

علامہ راغب نے فرمایا ہے:

”یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن اسلوب شعری سے مبرا ہے۔ اس حقیقت کو تو عجمی عوام بھی سمجھ سکتے ہیں، پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔ بلکہ وہ آپ پر (نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب اور شاعر بمعنی کاذب استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹے دلائل کو ”أدلة شعرية“ کہا جاتا ہے۔ اور مقولہ مشہور ہے کہ ”أحسن

جس کی قبر کی دہلیز پر لکھا گیا ہے ۔

بنا زمین پر عرش بریں کی ڈالی ہے
لسوڑی شاہ کی یہ دربار عالی ہے
ہے اسم اور جسم کے پردے میں عین ذاتِ خدا
دلوں کا نور ہے دونوں جہاں کا والی ہے

اولیاء اللہ، اللہ اولیاء

ہج فرقے درمیان نبود روا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حوالے سے اس قسم کی خرافات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ روافض کے نزدیک حضرت علی، حضرت حسینؑ اور ان کے اماموں کا جو درجہ ہے اس کی داستان بھی طویل ہے۔ بیت اللہ کی بجائے قبور صالحین کا حج اور ان کے گرد طواف کا مشاہدہ آنکھوں سے کیا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں خرافیوں کے اشعار بھی معروف ہیں۔ دوزخ کا مذاق اڑاتے ہوئے ایک نے کہا تھا ۔

اے شیخ! ڈراتا ہے تو جنہیں آتش دوزخ سے
پی جاتے ہیں وہ آگ کو پانی کر کے

ایک اور صاحب کہتے ہیں ۔

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

غالب نے جنت کے بارے میں کہہ دیا تھا ۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اقبال کو بھی دیکھیے، کہتے ہیں ۔

فارض تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

احمد فراز کی جسارت دیکھیے ۔

ان رسولوں کی کتابیں طاق میں رکھ دو فراز
نفرتوں کے یہ صحیفے عمر بھر دیکھے گا کون

اشعار میں کسی کی بے جا تعریف و مدح سرائی، کسی کی مذمت اور ہجو حتیٰ کہ غلو میں عابد و معبود کا فرق بھی مٹا دینے میں کوئی باق محسوس نہیں ہوتا۔ آزاد فکری میں دین اور دینی قدروں کے ساتھ استہزاء میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔ بریلوی مکتب فکر کے ”اعلیٰ حضرت و مجدد بریلویہ“ کہتے ہیں ۔

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے
نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی

(حدائق بخشش: ۶۱/۱)

صرف اشعار ہی میں نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اس عقیدے کا اظہار فرمایا گیا ہے:

”حضور پر نور سید عالم ﷺ بلاشبہ اللہ کے نور ذاتی سے پیدا

ہیں۔“ (صلۃ الصفاء فی نور المصطفیٰ، ص: ۱۵، ۱۶)

خواجہ یار محمد ”دیوان محمدی“ الموسوم بہ ”انوار فرید“ (ص: ۱۰۱)

میں کہتے ہیں ۔

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے

جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

بجاتے تھے جو اپنی عہدہ کی بنسری ہر دم

خدا کے عرش پر اپنی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(انوار فرید، ص: ۱۰۳)

رسول اللہ ﷺ کو ”اللہ“ ہی بنا دینے کی بڑی یا داگوئی کی گئی حتیٰ

کہ یوں بھی کہا گیا ۔

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے

جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

اشعار کا یہ انداز صرف رسول اللہ ﷺ سے مختص نہیں، حضرت

علیؑ، شیخ معین الدین چشتی، شیخ فرید، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور

دیگر اولیائے کرام کے بارے میں بھی یہی تصور ہے اور ان سے ہر

مشکل میں استغاثہ معمول کا مشغلہ ہے۔

ہمارے فیصل آباد کے جھنگ بازار میں لسوڑی شاہ کا دربار ہے

ایسی خرافات بکنے والوں کے لیے کسی دل جلے نے کہا ہے۔

گناہ گار واں چھوٹ جائیں گے سارے

جنہم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

اسی قسم کے شعراء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَمْشُونَ ۝﴾ [الشعراء: ۲۲۵]

”بے شک یہ (شعراء) ہر وادی میں سرمارتے (بھٹکتے)

پھرتے ہیں۔“

شعراء کی یہ خرافات اور کذب بیانات اپنی جگہ مگر علامہ راغب کا یہ فرمانا کہ وہ آپ ﷺ کو شاعر اس لیے کہتے تھے کہ وہ معاذ اللہ آپ پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے، محل نظر ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ﴾ [الأنعام: ۳۳]

”بے شک وہ تجھے نہیں جھٹلاتے۔“

آپ ﷺ کو وہ صادق و امین تسلیم کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنہم کے بارے میں جو کچھ ذکر فرمایا ہے اور قرآن مجید میں جو اس کی تفصیل ہے کہ اس میں زقوم (تھوہر) کا درخت ہوگا، جنہمیوں کو لہو اور پیپ پینے کے لیے ملے گی، کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اسی طرح جنت کے بارے میں اس کی وسعت اور اس کی نعمتوں کے تذکرے کو کفار شاعرانہ مبالغہ سمجھتے ہوئے آپ ﷺ کو شاعر کہتے ہوں۔ کفار مکہ قرآن مجید کے قصوں پر بھی معترض تھے کہ یہ پرانے قصے کہانیاں ہیں، شاعر بھی اشعار میں قصہ گوئی کرتے ہیں، ممکن ہے اس بنا پر وہ آپ ﷺ کو شاعر کہتے ہوں۔ یا قرآن مجید میں جو صوتی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، جیسے سورۃ الرحمن، یا سورۃ الکوثر اور بعض دیگر سورتوں میں ہے، اسے وہ کلام مقفی سمجھتے ہوں اس بنا پر وہ آپ ﷺ کو شاعر سمجھتے تھے۔ ان کا یہ اعتراض قرآن میں ایک جگہ یوں بیان ہوا ہے:

﴿وَيَقُولُونَ إِنَّا لَنَرَاهُ إِلهَ تِنٍّ لَا يَخْلُقُ شَيْئًا ۝﴾

[الصافات: ۳۶]

”اور کہتے تھے: کیا ہم یقیناً اپنے معبودوں کو ایک دیوانے

شاعر کی خاطر چھوڑ دینے والے ہیں۔“

ان کا یہ اعتراض سورۃ الانبیاء (آیت: ۵) اور سورۃ الطور

(آیت: ۳۰) میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اسی اعتراض کا یہاں جواب ہے

کہ ہم نے تو انہیں شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی۔

اشعار کے باقاعدہ اوزان ہیں اور وہ ردیف اور قافیہ کی مناسبت

سے کہے جاتے ہیں۔ چند اشعار زبان پر آجانے سے کوئی شاعر نہیں

بن جاتا۔ مناسب اور موزوں کلام پر بھی اشعار کا اطلاق نہیں ہوتا۔

جنگ کے موقع پر دشمن کے مقابلے کے لیے کہے گئے کلام

موزوں کو رجز کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے بعض مواقع پر ایسا

موزوں کلام ثابت ہے، مثلاً: غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ

خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ کا

رجز یہ کلام پڑھتے تھے۔

اللهم لولا أنت ما اهتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

فأنزلن سكينتنا علينا

و ثبت الأقدام إن لاقينا

إن الألى قد بغوا علينا

وإن أرادوا افتنة أبيننا

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۴۱۰۶ وغیره)

”اے اللہ! اگر تُو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ اور نہ ہم

صدقہ کرتے، نہ ہم نماز پڑھتے۔ پس ہم پر سکینت نازل

فرما۔ اور اگر کافروں سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم

فرما۔ بے شک انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

اور اگر وہ فتنے کا ارادہ کریں تو ہم انکار کریں گے۔“

آپ ﷺ رجز کے آخری لفظ کو کچھ لمبا کر کے پڑھتے تھے۔

راوی حضرت براء بھی اسے ”یر تجز بکلمات ابن رواحة“ سے

رواحہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ شارح ترمذی محدث مبارک پوری نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن رواحہ کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے، یہ دراصل طرفہ ہی کا شعر ہے، جیسا کہ اس کے معلقہ میں ہے۔

(تحفة الأحوذی: ۳۳/۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ شعر سے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ کو کسی چیز سے نفرت نہیں تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کبھی کبھار بنو قیس کے شاعر کا شعر پڑھتے تھے مگر اوّل کو آخر اور آخر کو اوّل پڑھ جاتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! شعر یوں نہیں بلکہ یوں ہے تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے:

((إني والله ما أنا بشاعر وما ينبغي لي.))

(ابن کثیر: ۷۶۲/۳)

”میں شاعر نہیں ہوں، نہ شعر گوئی میرا کام ہے۔“

بقیہ: غنیۃ القاری

اور شمس الائمہ سرخسی بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں اور شیخ الاسلام نے اپنی شرح میں لکھا ہے: دانت اکھیرنے والے کا دانت اکھیرا جائے گا، کذا فی المحيط۔ امام شافعی کے نزدیک اکھیرے گئے دانت میں قصاص ثابت ہے، ٹوٹے میں نہیں۔

اس حدیث میں عورت سے مراد آزاد عورت ہے تو قصاص بالاتفاق متصور ہوا، اس لیے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک آزاد و غلام کے اطراف میں سوائے نفس کے اور اعضاء میں قصاص نہیں۔ شمس نے شرح نقایہ میں کہا نہیں ہے: قصاص ہڈی میں اس لیے کہ مماثلت اس میں مشکل ہے مگر دانت میں اور شرح کنز میں لکھا ہے کہ نہیں قصاص اکھیرے گئے دانت میں، ہاں، اس کو سان سے رگڑنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

تعبیر کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ابن رواحہ کے کلمات رجز سے پڑھ رہے تھے۔ اسی طرح جب آپ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اپنی مسجد مبارک کی بنیاد رکھی تو آپ رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔

اللهم لا خير الاخير الاخرة
فاغفر لنا نصار والمهاجرة

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۲۸)

”اے اللہ! آخرت کے علاوہ کوئی خیر نہیں۔ پس تو انصار اور

مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جو سب سے زیادہ آپ رضی اللہ عنہ سے واقف اور سفر و حضر کے ساتھی تھے، وہ بھی جانتے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شعر و شاعری سے کوئی شغل نہیں تھا بلکہ دوران گفتگو اگر کسی شاعر کا اچھا شعر زبان مبارک پر آ جاتا تو اسے بھی غیر موزوں پڑھ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا کسی چیز کی مثال شعر سے دیتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا: صرف طرفہ بن عبد البری کا یہ شعر تھا۔

ستبدي لك الأيام ما كنت جاهلا

ويأتيك بالآخبار من لم تزود

”عنقریب زمانہ تم پر ایسی چیزیں ظاہر کرے گا جن سے تم بے خبر ہو۔ اور تمھارے پاس ایسی خبریں لائے گا جو تم نے نہیں سنی ہوں گی۔“

مگر رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے آخری جملہ کو یوں پڑھا:

((ويأتيك من لم تزود بالآخبار))

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جناب! یہ اس طرح نہیں

ہے، رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((إني لست بشاعر ولا ينبغي لي.)) (ابن کثیر)

”میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شاعری میری شایان شان ہے۔“

مسند امام احمد وغیرہ میں اسی طرح شعر کی نسبت طرفہ کی طرف ہے جب کہ ترمذی (رقم الحدیث: ۲۸۳۸) میں اس کی نسبت عبد اللہ بن

غنية القاري

بترجمة

ثلاثيات البخاري

تأليف: إمام المفسرين، زبدة المحدثين
محبي السنة نواب والا جاه صديق الحسن خان رضى

تسهيّل: حافظ محمد اشرف سعيد رضى

۹۔ نويس ثلاثی حدیث:

”أخرجه البخاري في “باب: هل تكسر الدنان التي فيها الخمر وتخرق الزقاق... إلخ“ من “أبواب المظالم والقصاص“ المذكورة في الربع الثاني هكذا حدثنا أبو عاصم الضحاك بن مخلد عن يزيد بن أبي عبيد عن سلمة بن الأكوع أن النبي ﷺ رأى نيرانا توقد يوم خيبر فقال: ((على النبي ﷺ ما توقد هذه النيران؟)) قالوا: على الحمر الإنسية، قال: ((اكسروها وأهرقوها)) قالوا: لانهريقها ونغسلها، قال: ((اغسلوا...))

”امام بخاری نے اس حدیث کو ”كتاب المظالم“ ربع ثانی، باب: ”کیا شراب کے منکے توڑے جائیں، مشکیں (جن میں شراب ہو) پھاڑ ڈالی جائیں، اگر کسی نے بت توڑا یا طنبورہ (آلہ موسیقی) توڑا یا جس چیز کی لکڑی کام میں نہیں آتی اس پر تاوان ہوگا یا نہیں۔ قاضی شریح کے پاس طنبورہ توڑنے کا مقدمہ آیا، انھوں نے توڑنے والے پر کوئی تاوان نہ ڈالا۔“ میں ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے کہا: حدیث بیان کی ہمیں ابو عاصم ضحاك بن مخلد نے، ابو عاصم نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو يزيد بن ابی عبيد نے، يزيد نے سلمة بن اکوع رضى اللہ عنہ سے روایت کی: بے شک نبی اکرم ﷺ نے خيبر کے دن جلتي ہوئی آگ دیکھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”یہ آگ کس چیز پر جلائی جا رہی ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: پالتو گدھے کے گوشت پر، یعنی

گدھے کا گوشت پکایا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہنڈیا کو توڑ دو اور گوشت پھینک دو“ لوگوں نے عرض کیا: ہم گوشت پھینک دیتے ہیں اور ہنڈیا کو دھو لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، ٹھیک ہے، برتن دھولو۔“

فائدہ: اس حدیث میں پالتو گدھوں کی قید کی وجہ سے جنگی گدھے کا گوشت حلال ہے۔ بلا خلاف پالتو گدھوں کا گوشت ناپاک اور حرام ہے۔ امام مالک رضى اللہ عنہ کے موقف کے خلاف اس حدیث سے تینوں اماموں نے حجت پکڑی ہے کہ پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے۔ ابن بطل کہتے ہیں: توڑنا ان برتنوں کا جائز نہیں کیونکہ دھونے کے حکم نے اس کو منسوخ کر دیا ہے۔ توڑنے میں مال کو ضائع کرنا ہے اور دھونے سے برتن پاک ہو جاتے ہیں۔ اور امام مالک کہتے ہیں: مشک دھونے سے پاک نہیں ہوتی کیونکہ شراب اس میں گھس جاتی ہے۔ دوسروں نے کہا: پانی بھی اس میں گھس جاتا ہے اور اس کو پاک کرتا ہے، لہذا توڑنا ضروری نہیں۔ اور آلات لہو ولعب طنبورہ وغیرہ، ان کا توڑنا جائز ہے، ان کی صورت دوسری ہے۔

۱۰۔ دسویں ثلاثی حدیث:

”ذکره البخاري في باب: “الصلح في الدية“ من “كتاب الصلح“ الذي ذكر في الربع الثاني هكذا حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري قال حدثني حميد أن أنسا حدثهم أن الربيع وهي بنت النضر كسرت ثنية جارية فطلبوا الإرش وطلبوا العفو فأبوا فأتوا النبي ﷺ فأمرهم بالقصاص، فقال: أنس بن النضر: أتكسر ثنية الربيع يا رسول الله!

لا والذي بعثك بالحق لا تكسر ثنيتها، فقال ﷺ: ((كتاب الله القصاص)) فرضي القوم وعفوا، فقال النبي ﷺ: ((إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره.)) زاد الفزاري عن حميد عن أنس: فرضي القوم وقبلوا الإراش. “
امام بخاری نے اس حدیث کو ”کتاب الصلح“ رابع ثانی باب: ”دیت پر صلح کرنا“ میں بیان کیا ہے۔

”امام بخاری نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو محمد بن عبداللہ انصاری نے، محمد کہتے ہیں: حدیث بیان کی ہم کو حمید نے، حمید نے روایت کی حضرت انس سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ربیع بنت نضر نے ایک بچی کے دانت توڑ ڈالے۔ اس کے وارثوں نے دیت کا مطالبہ کیا اور ربیع کے خاندان نے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانے اور وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو قصاص کا حکم دیا۔ انس بن نضر کہنے لگے: کیا ربیع کے دانت توڑے جائیں گے یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے انس! اللہ کی کتاب (قرآن) تو قصاص کا حکم دیتی ہے۔“ پھر وہ لوگ راضی ہو گئے اور معاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے۔“ اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ فزاری نے زیادہ کیا بواسطہ حمید کے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اس عورت کی قوم راضی ہو گئی اور قصاص کے عوض دیت قبول کی۔“

فائدہ: محمد بن عبداللہ، انس بن مالک کے پوتے ہیں۔ یہ بصرہ کے قاضی تھے، پھر بغداد کے قاضی ہوئے۔ خلیفہ رشید کے زمانے میں ۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔

اور حمید مشہور ہیں حمید طویل کے نام سے ۶۸ھ میں پیدا ہوئے

اور نماز کی حالت میں ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ خادم رسول اللہ ﷺ انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ آٹھ یا نو برس کے تھے جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی اور ایک کم سو برس کی عمر پائی۔ آپ اپنے ہم چشموں (ساتھیوں) میں بڑے مال دار، بہت زیادہ اولاد والے تھے، یہاں تک کہ طواف کعبہ کے وقت ستر آدمی ان کی اولاد سے ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل دیتا تھا۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے تھا۔ یہ خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں بصرہ گئے۔ اور یہ ان اصحاب میں سے آخری ہیں جو بصرہ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی۔

ربیع، انس بن مالک کی پھوپھی ہیں، انھوں نے ایک آزاد عورت کا دانت توڑا تھا۔ جب معاملہ بڑھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم فرمایا۔ انس بن مالک بن نضر، جو ربیع کا بھائی اور انس بن مالک کا چچا ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کہا: میری بہن کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ آخر ایسا ہی ہوا، اس عورت کی قوم کے لوگ دیت لینے پر راضی ہو گئے اور قصاص معاف کر دیا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جب کسی بات کے وقوع کا گمان ہو تو اس پر قسم اٹھانا جائز ہے۔ اور قصاص کا معاف کرنا مستحب ہے اور اسی طرح معافی کی سفارش کرنا بھی۔ اور اس حدیث سے انس بن مالک بن نضر کی فضیلت ثابت ہوئی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک دانت میں قصاص ثابت ہے، توڑا ہوا یا اکھیڑا۔ اگر توڑا ہو تو توڑنے والے کا دانت بقدر شکستگی کے سان سے رگڑا جائے گا، اس لیے کہ توڑنے میں کمی بیشی کا اندیشہ ہے، اس طرح دونوں میں برابری حاصل نہیں ہوگی۔ اگر اکھیڑا ہو تو صاحب ”قدوری“ نے کہا ہے: قلع (جس نے دانت جڑ سے اکھیڑا) کا دانت اکھیڑا نہیں جائے گا بلکہ سان سے رگڑا جائے گا یہاں تک کہ سان گوشت تک پہنچ کر دانت کو گرا دے۔

(باقی صفحہ نمبر ۷ پر ملاحظہ کریں)

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

فضل الرحمن

(عراق) کے علاقے میں اربل کا حاکم ابوسعید کو کبوری بن ابی الحسن علی بن عقیل بن محمد المقلب الملک المعظم مظفر الدین (متوفی ۱۸ رمضان المبارک ۶۳۰ھ) تھا۔ یہ حکمران ان محفلوں میں بے دریغ روپیہ خرچ کرتا تھا اور لہو و لعب کے ساتھ راگ و رنگ کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا۔“

(ابن خلکان، ص: ۳۸۱)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

”یعنی اہل تاریخ نے صراحت کی ہے کہ یہ بادشاہ بھانڈوں اور گانے والوں کو جمع کرتا اور گانے کے آلات سے گانا سنتا اور خود ناچتا تھا۔ ایسے شخص کی گمراہی میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس جیسے آدمی کے فعل کو کیسے روا اور اس کے قول پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۱۳۲)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ملک مظفر وہ پہلا شخص ہے جس نے اس بدعت کو ایجاد کیا۔ اس نے ایک مرتبہ میلاد میں ایسا دسترخوان تیار کروایا جس میں پانچ ہزار بھی ہوئی بکریوں کے سر، دس ہزار مرغیاں، سو گھوڑے، ایک لاکھ پیالیاں اور تیس ہزار مٹھائیوں کے بڑے بڑے خوان تھے۔ پھر ظہر سے فجر تک صوفیاء، جو صالحین کے نام سے مشہور تھے، کے لیے محفل سماع منعقد کی گئی اور وہ خود بہ نفس نفیس اس میں شریک ہوا اور اس میں جھومتا رہا۔ (الجاوی مصنفہ امام سیوطی)

ابن خلکان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محفل میلاد کے جواز کا فتویٰ دینے والا جس نے سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا وہ ابو الخطاب عمر بن حسن المعروف ابن دحیہ

تاریخ بتاتی ہے کہ میلاد النبی کی مجالس کا انعقاد نہ صرف کتاب و سنت کے خلاف ہے بلکہ قرینہ عقل و دانش سے بھی بعید ہے، جس کے لیے ذیل میں کچھ دلائل فراہم کیے گئے ہیں:

۱: میلاد النبی کی یہ تحریک مسلمانوں میں کوئی قدیم تحریک نہیں ہے۔ اس کا ذکر نہ قرون اولیٰ میں کہیں پایا جاتا ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں۔ حضور اکرم ﷺ اپنی پیدائش کے بعد ۶۳ سال اور نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد ۲۳ برس تک اس دنیا میں بقید حیات تھے، مگر انھوں نے کسی ایک سال بھی اپنی پیدائش کا جشن نہ منایا اور نہ کسی صحابی کو یہ جشن منانے کا کہا۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی صحابہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں کسی نے اس جشن میلاد النبی کا اہتمام نہیں فرمایا۔ ان کے بعد ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے زمانوں میں بھی اس میلاد کا کہیں ذکر نہیں ملتا تو پھر آج کا مسلمان یہ میلاد النبی کا جشن منا کر کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟ کیا یہ کہ آج جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ صحیح اسلام ہے اور حضور اکرم ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین کرام اور ائمہ اربعہ وغیرہ رحمہم اللہ نے یہ جشن نہ منا کر شدید غلطی کی ہے۔ قارئین حضرات خود ہی اس کا فیصلہ فرمائیں۔

۲: میلاد النبی کی مجالس و محافل اور اس کا جشن ساتویں صدی ہجری کے شروع میں تقریباً ۶۰۴ھ میں سب سے پہلے منایا گیا۔ اس سے پہلے اس بدعتی رسم کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ کیا شے ہے۔ مشہور مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں:

”سب سے پہلا شخص جس نے یہ بدعت جاری کی وہ موصل

الکلبی (متوفی ۶۳۳ھ) ہے جس نے ”التنوير في مولد البشير والنذير“ کتاب لکھ کر ملک مظفر الدین کی خدمت میں پیش کی اور اس پر ایک ہزار اشرفیاں انعام میں حاصل کیں۔ (ابن خلکان، ص: ۳۸۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وہ ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں گستاخی کرنے والا اور خبیث زبان والا تھا، بڑا احمق اور متکبر تھا اور دین کے کاموں میں بڑا لاپرواہ اور ست تھا۔“

(لسان المیزان: ۲۹۶/۴)

صاحب ”قرة العيون“ نے اپنی کتاب (۴۸/۱) پر یہ بات بہ خوبی ظاہر فرمائی کہ مذکورہ مجلس میلاد قرونِ ثلاثہ کے بعد اہل بدعت نے ایجاد کی ہے۔

اور اس کے بعد آگے چل کر رقم طراز ہیں:

”ظاہر ہے کہ اس مجلس میلاد بہ بیت کذائیہ کا موجد شیخ عمر اور ملک مظفر ابوسعید ہے جس کا معلن الفسق (کھلم کھلا فاسق) ہونا عبداللہ بن اسعد الیافعی الشافعی (المتوفی ۶۸۷ھ) صاحب ”مرآة الجنان“ کے قول سے واضح اور ثابت ہے۔“ (قرة العيون: ۵۰/۱)

صاحب ”توضیح المرام“ نے نقل کیا ہے:

”أول من اخترعه الملك الإربل ومن رعاياه عمر بن ملا محمد، وما كانا ثقتين عند أهل الشريعة لأنهما يستمعان الغناء والملاهي بل كان الملك الإربل يرقص.“ (توضیح المرام فی بیان المولد والقیام: ۵۰/۱)

”مجلس میلاد کو بادشاہ اربل (مظفر الدین ابوسعید) اور عمر بن ملا محمد نے ایجاد کیا ہے اور یہ دونوں اہل شریعت کے نزدیک ثقہ اور معتبر نہیں ہیں کیونکہ یہ دونوں گانا باجاسنتے تھے بلکہ بادشاہ اربل تو ناچتا بھی تھا۔“

چنانچہ قدامت میں سے علامہ تاج الدین الفاکہانی نے رسالہ ”المورد في الكلام مع عمل المولد“ میں لکھا ہے:

”أحدثها البطالون وشهوة نفس وأغناؤها الأثقالون.“

”مولود کو باطلوں، غلط کاروں اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں نے نکالا ہے اور اس کا اہتمام شکم پروروں نے کیا ہے۔“

۳: آپ ﷺ کی تاریخ ولادت میں علماء ومؤرخین کا کافی اختلاف ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ ”في ذكر مولد نبينا ﷺ“ کے زیر عنوان اپنی مشہور سیرت کی کتاب میں لکھتے ہیں:

”حضور اکرم ﷺ ۲۰ صفر ۵۷۰ء واقعہ قبل بروز پیر پیدا ہوئے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس واقعے سے دو راتیں قبل اور بعض کا دعویٰ ہے کہ بارہویں رات کو پیدا ہوئے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یوم الفیل کو آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ربیع الاول کی بارہویں شب بروز پیر پیدا ہوئے تھے۔ زہری سے مروی ہے کہ انھوں نے بیان کیا آپ ﷺ کی ولادت واقعہ قبل کے دس سال بعد ہوئی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اکرم ﷺ پیر کی شب مطابق ۲۲ صفر کو پیدا ہوئے تھے۔“ (الوفا بأحوال المصطفى للإمام ابن جوزي مختصراً: ۱/۹۰، ۹۱ وكمافي التلقيح)

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری ”حیات محمد ﷺ“ میں آپ ﷺ کی ولادت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”مؤرخین کا محمد ﷺ کے سن ولادت کے متعلق بہت اختلاف ہے، اکثر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت اس سال ہوئی جس سال واقعہ قبل پیش آیا تھا، یعنی ۵۷۰ء میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یوم الفیل کو آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت اس واقعہ سے پندرہ سال قبل ہو چکی تھی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت

واقعہ فیل کے چند دن یا چند ماہ یا چند سالوں بعد ہوئی تھی۔ بعض اس بات کا بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت عام الفیل سے تیس اور بعض کے نزدیک ستر سال بعد ہوئی تھی۔

سن ولادت میں اختلاف کے ساتھ مؤرخین اس امر میں بھی مختلف ہیں کہ کس ماہ میں آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی اگرچہ ماہ ربیع الاول پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اس بات کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ آپ کی ولادت محرم میں ہوئی تھی۔ بعض کے نزدیک صفر میں، بعض کے نزدیک رجب میں اور بعض کے نزدیک رمضان میں ہوئی تھی۔ سن اور مہینے کے اختلاف کے ساتھ مؤرخین آپ کی ولادت کی تاریخ میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۳ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ بعض کے نزدیک ۹ ربیع الاول کو اور بعض کے نزدیک ۱۰ ربیع الاول کو۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔“ (دی لائف آف محمد، از ڈاکٹر محمد حسین بیکل مصری، ص: ۳۸ طبع امریکا)

مؤرخین کے ان تمام اختلافات کو شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے مختصر سیرت الرسول (ص: ۹، ۸)، پر، شارح ترمذی علامہ عبد الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ نے تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی (۲/ ۲۹۵، ۲۹۶) پر اور علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی (جلد: ۱) میں جمع کیا ہے جو قابل مراجعت ہے۔

طبری اور ابن خلدون نے تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول لکھی ہے۔ علامہ شبلی فرماتے ہیں:

”تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت با سعادت ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔“ (سیرت النبی: ۱/ ۱۷۱)

پروفیسر دل محمد نے ۱۷۵۳ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا ایک فارمولا تحریر کیا ہے جس کے تحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کی بجائے ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ وہ فارمولا اس طرح ہے:

$$س + ل + د =$$
 یعنی جس سن کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو اس سے ایک سال پہلے کے سن کو ”س“ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ”ل“ لوند (Leap Year) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سن سے قبل تک آئے ہوں اور ”د“ سے دن مراد ہیں، یعنی سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زبر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتے کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔ ذیل میں دوشنبائیں پیش کی جا رہی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

مثال نمبر ۱: متفقہ طور سے حضور اکرم ﷺ کی تاریخ ون ولادت عیسوی سن کے اعتبار سے ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ (پیر) ہے۔ اس مثال میں $س + ل + د =$ یوم ولادت ہے۔

”س“ (سال) = ۵۷۰ دن۔ جنوری: ۳۱

”ل“ (لوند) = ۱۴۲ فروری: ۲۸

”د“ (دن) = ۱۱۰ مارچ: ۳۱

اپریل: ۲۰ (تاریخ ولادت تک)

جملہ: ۱۱۰

چنانچہ $س + ل + د = ۵۷۰ + ۱۴۲ + ۱۱۰ = ۸۸۲$

ہفتے میں ۷ دن ہوتے ہیں، پہلا دن ہفتے سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے مطابق ۸۸۲ کو ۷ پر تقسیم کر دیں تو باقی ۳ بچتا ہے جو پیر کا دن ہے، جو ۹ ربیع الاول کا دن ہے نہ کہ ۱۲ ربیع الاول کا۔

مثال نمبر ۲: اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ واقعہ کربلا ۱۰ محرم ۶۱ھ بروز جمعہ پیش آیا تھا۔ اس فارمولا کے استعمال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ بالا دن جمعہ نہ تھا جیسا کہ افسانوی طرز کے قصوں اور واقعہ کربلا کی موضوع روایات میں بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ یہ دن

النبي ﷺ یا محفل میلاد منعقد کرنے کا ثبوت نہیں ملتا لیکن اس کے باوجود جو حضرات اس نوعیت کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور انھیں باعث ثواب سمجھتے ہیں ان کے طرز عمل سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ نے اسلام کو اس امت کے لیے مکمل نہیں کر دیا؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام باتیں امت کو نہیں بتائیں جن پر امت کو عمل پیرا ہونا تھا؟

اب بعد میں آنے والے لوگوں نے عید میلاد النبی ﷺ یا محفل میلاد کی صورت میں شریعت کے نام پر ایسی بدعات جاری کر دی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھی حکم نہیں دیا تھا۔ اس سے تو اللہ اور اس کے رسول کی ذات اقدس پر یہ الزام آتا ہے کہ آپ ﷺ نے امت سے وہ چیز چھپائے رکھی جو فی الحقیقت اس کے لیے بہت مفید تھی۔ جب کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (البائدة: ۱۳)
 ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور میں راضی ہوں تمہارے لیے دین اسلام سے۔“

اگر محفل میلاد منعقد کرنا دین الہی کا حصہ ہوتا تو یقیناً رسول اکرم ﷺ اس کے انعقاد کا امت کو حکم دیتے یا اپنی زندگی میں خود بھی ایسی محفلیں منعقد کرتے یا کم از کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو محفل میلاد کا اہتمام ضرور کرتے۔ جب ان میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ محفل میلاد یا عید میلاد النبی ﷺ کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ سراسر ایک بدعت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾

[الشوری: ۱۰]

چہار شنبہ تھا، یعنی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ۔ اس مثال میں $\frac{س+ل+د}{۷}$ = یوم عاشوراء ہے۔

چنانچہ $س+ل+د=۶۸۹+۱۶۹+۲۸۴=۱۱۳۲$ جملہ = ۱۱۳۲ اس جملہ عدد ۱۱۳۲ کو ۷ پر تقسیم کریں تو باقی ۵ بچتا ہے جو چہار شنبہ کا دن ہے۔ اس فارمولا کی رو سے ۱۰ محرم ۶۱ھ بروز چہار شنبہ ہے، نہ کہ جمعہ۔

جب حضور اکرم ﷺ کی تاریخ ولادت تحقیقی طور پر ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ (پیر) مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بھڑی تو ۱۲ ربیع الاول کو جشن میلاد النبی ﷺ منانا کیا معنی رکھتا ہے؟

مشہور مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ خود اس کا موجد بھی یہ جشن ایک سال ۸ اور دوسرے سال ۱۲ ربیع الاول کو منایا کرتا تھا۔ (ابن خلکان، ص: ۴۳۷)

اگرچہ اوپر پیش کیے گئے دلائل قبول حق اور تسکین الصدور کے لیے کافی ہیں لیکن مضمون ختم کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں بعض مشہور اور معتمد علمائے کرام کے چند فتاویٰ بھی نقل کر دیے جائیں، چنانچہ علامہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (مفتی اعظم، سعودی عرب) کا شائع کردہ ایک فتویٰ پیش خدمت ہے جس میں عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت اس طرح بیان کی گئی ہے:

”عید میلاد النبی ﷺ کے نام پر محفلیں منعقد کرنا شرعاً ناجائز

ہے۔ ان کا اہتمام سراسر بدعت اور دین میں نئی اختراعات ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے نہ تو خود ایسا کیا اور نہ ہی خلفائے راشدین نے ایسی محفلیں منعقد کیں اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا اور نہ قرون اولیٰ میں تابعین اور تبع تابعین سے ایسا کوئی واقعہ ثابت ہے جس سے اس کا ثبوت ملتا ہو، حالانکہ وہ سب سے زیادہ سنت کے عالم اور رسول اللہ کے ساتھ کامل محبت رکھنے والے اور شریعت کے تابع تھے۔ قرآن و سنت میں کہیں بھی عید میلاد

”اور تم جس میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔“

اس اصول کی بنیاد پر ہم اس اختلافی مسئلہ، یعنی میلاد النبی کو کتاب اللہ کی طرف لوٹاتے ہیں، ہمیں قرآن نے اتباع رسول کا حکم دیا ہے۔ قرآن عزیز نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے، جو اسلام رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے اس میں ایسی محفلیں منعقد کرنے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان محفلوں کا تعلق اس دین سے بالکل نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مکمل کیا ہے۔“

(ترجمہ فتویٰ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مختصراً)

امام علامہ تاج الدین الفاکہانی رحمہ اللہ اپنے رسالے میں تحریر فرماتے ہیں:

”بعض لوگ ماہ ربیع الاول میں جو اجتماعات منعقد کرتے اور اس کا نام میلاد النبی رکھتے ہیں۔ ایسے اجتماعات کی مشروعیت کے متعلق مجھ سے بار بار استفسار کیا گیا ہے، پس میں کہتا ہوں کہ مجھے اس محفل میلاد کی اصل کا علم نہیں ہے، نہ یہ کتاب اللہ میں موجود ہے، نہ ہی سنت رسول اللہ ﷺ میں اور نہ ہی علمائے امت میں سے کسی کا اس پر عمل منقول ہے۔ بلکہ یہ بدعت ہے جس کو باطل پرستوں نے دین میں ایجاد کیا ہے۔“ (بحوالہ تعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی: ۱۹۲/۱ طبع لاہور)

صاحب مدخل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ دین میں پیدا کی گئی بدعت ہے۔ اس کے متعلق یہ اعتقاد رکھا گیا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہے اور ماہ ربیع الاول میں میلاد کے نام پر کیے جانے والے شعائر کا اظہار ہے۔ یہ محفل پوری کی پوری بدعت اور محرّمات پر محّوی ہے، اس کی نیت بھی بے نفع ہے کیونکہ یہ دین میں زیادتی ہے۔“ (تعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی: ۲۹۱/۱)

صاحب ”القول المعتمد“ فرماتے ہیں:

”مذہب اربعہ کے علماء کا اس کی مذمت پر اتفاق ہے۔ شریعت الہیہ کے موجود ہوتے ہوئے اس پر عمل کرنا بدعت کے ہم معنی ہے۔ پس جان لو کہ مختلف ممالک میں چاروں طرف مجلس میلاد النبی ﷺ کی جو رسم پھیلی ہوئی ہے ایک مذموم بدعت ہے کیونکہ وہ دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں ہے۔“ (بحوالہ تعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی: ۲۹۱/۱)

علامہ عبدالحی بن محمد عبدالحلیم حنفی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب ”الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة“ میں ایک باب ”ذكر بعض القصص المشهورة“ مقرر کیا ہے۔ آپ اس میں مروجہ محفل میلاد کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان مشہور قصوں میں سے ایک قصہ یہ بھی ہے کہ اکثر لوگ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ بہ نفس نفیس اپنے میلاد کی مجالس وعظ میں اور ایسے مقامات پر جہاں آپ کے میلاد کا ذکر ہوتا ہے، تشریف لاتے ہیں۔ اسی باعث مجالس میلاد کرنے اور ان میں شرکت کرنے والے لوگ میلاد کے ذکر و بیان کے وقت آپ ﷺ کی تعظیم و اکرام کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی ان اباہیل میں سے ایک باطل چیز ہے جو کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ اس کے ثابت ہونے کا امکان یا احتمال قطعی خارج از حد بیان ہے۔ اس جیسے بے شمار قصے، جن میں سے چند قصوں کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، فضل محمدی رحمہ اللہ اور میلاد احمدی رحمہ اللہ کے متعلق واعظین اپنی طرف سے گھڑ کر اور بغیر کسی دلیل و ثبوت کے بیان کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا محمد ﷺ کی جلالت کا یہ ذکر کرنا بہت بڑا ثواب ہے، حالانکہ وہ اس طرح غافل مسلمانوں کو گناہ عظیم میں مبتلا کرتے ہیں کیونکہ اس ذکر کی اکثر باتیں نبی ﷺ کے قول و فعل اور وصف و جمال یا کمال، جن کا ذکر صریح اخبار اور صحیح آثار و احادیث میں موجود ہے، کے برخلاف جھوٹی ہوتی ہیں۔“ (الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة للعلامة عبدالحی حنفی لکھنوی، ص: ۴۶، ۴۷ طبع بیروت)

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے دیکھ کر مت کھڑے ہوا کرو جیسے عجمی (بے دین لوگ) ایک دوسرے کی تعظیم کی خاطر کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

(مشکاۃ: ۲/۴۰۳)

اکثر محفل میلاد میں رسول اکرم ﷺ کی مدح میں افراط و تفریط اور انتہائی غلو کے ساتھ کام لیا جاتا ہے، حالانکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھایا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں، پس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہنا۔“ (مسند احمد صحیح بخاری و تفسیر ابن کثیر (اردو): ۲۶/۱، و منهاج الفرقۃ الناجیۃ والطائفة المنصورة علی ضوء الكتاب والسنة، ص: ۱۰۷-۱۱۰ مختصراً، طبع جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت)

علامہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ”غلو“ کے موضوع پر اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ان سب باتوں کا حاصل کلام یہ ہے کہ یہ محض غلو ہے جو نصاریٰ کے غلو کی ہی جنس سے ہے۔ نصاریٰ بعض مخلوقات کو ربوبیت کی کچھ چیزوں میں شریک کر کے غلو کرتے ہیں، چنانچہ مردود اور غیر مقبول ٹھہرے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری مدح میں حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی مدح میں حد سے تجاوز کیا۔ میں تو محض ایک بندہ ہوں، پس مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“ (صحیح البخاری مع فتح الباری: ۶/۲۸۷ و سنن الدارمی: کتاب الرقاق، باب نمبر: ۶۸، مسند احمد: ۱/۲۳، ۲۴، ۴۷، ۵۵، ۶۰)

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ط﴾ [النساء: ۱۷۱]

(باقی صفحہ نمبر ۲۴ پر ملاحظہ کریں)

علامہ بشیر الدین قنوجی رحمہ اللہ نے محفل میلاد النبی ﷺ کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام ”نہایۃ الکلام فی تحقیق المولد والقیام“ لکھا تھا جس میں انھوں نے ہر دور اور ہر مسلک کے بے شمار علماء کے اقوال جمع کیے تھے اور بہ دلائل ثابت کیا تھا کہ یہ ایک مذموم اور واجب الترمک بدعت ہے۔ علامہ قنوجی رحمہ اللہ کے علاوہ علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن اسماعیل شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۵ھ)، جن کا تذکرہ ”طبقات الشافعیۃ للسبکی“ (۵/۶۱) میں مرقوم ہے، نے اپنی کتاب ”المؤمل للرد إلى الأمر الأول“ میں اور ابوشامہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ”المنذوبیۃ“ میں بھی علمائے امصار کے اقوال محفل میلاد کے رد میں جمع کیے ہیں اور ”مجموع الرسائل المنیریۃ“ (جلد: ۳) میں بھی اس موضوع پر مفصل بحث دیکھی جاسکتی ہے۔

علامہ محمد بن جمیل زینو (مدرس دارالحدیث الخیریہ، مکتہ المکرّمہ) فرماتے ہیں:

”اکثر میلاد کی مجالس منکرات و بدعات اور شرعی مخالفت سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس طرح کی محفلوں کا انعقاد نہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے، نہ تابعین نے، نہ ائمہ اربعہ نے اور نہ ہی ان سب کے علاوہ با فضیلت اہل قرون میں سے کسی نے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود ہے۔“

میلاد النبی ﷺ کے اہتمام میں درود و سلام کے لیے قیام کرنا بھی منوع ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں تو سمجھو کہ اس نے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالیا۔“ (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک کوئی شخص رسول اکرم ﷺ سے زیادہ عزیز نہیں تھا لیکن جب وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) آپ ﷺ کو دیکھتے تھے تو (تعظیماً) کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ اس قیام سے کراہت فرماتے تھے۔ (جامع الترمذی بہ جوالہ مشکاۃ: ۲/۴۰۳)

فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه

لابن أبي العوام

پرایک نظر

مولانا ارشاد الحق اثری

ایک عجیب کتاب:

ابن ابی العوام نے باسند شعیب بن ایوب سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن ہارون خلیفہ مامون کے پاس ان احادیث کو لے کر آئے جو ہمارے اصحاب کے مسلک کے خلاف تھیں۔ مامون نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ، بشر المریسی، یحییٰ بن اکثم اور محمد بن ساعد سے کہا: اگر تم اپنے اصحاب کے ان اقوال کے مطابق احادیث ثابت نہ کر سکتے تو میں تمہیں ان اقوال کے مطابق فتویٰ دینے سے منع کر دوں گا۔ عیسیٰ بن ابان ان سے کم عمر ہونے کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ تھے:

”فوضع اسماعیل بن حماد کتابا کان سببا کله۔“
”تو اسماعیل بن حماد نے کتاب تیار کی جو گالیوں سے بھری ہوئی تھی۔“

یحییٰ بن اکثم اور بشر نے کچھ نہ کیا، البتہ عیسیٰ بن ابان نے ”کتاب الصغیر“ لکھ کر مامون کو پیش کر دی۔

(فضائل أبي حنيفة، ص: ۳۷۰، ۳۷۱، رقم: ۸۹۰)

ابن ابی العوام نے یہ قصہ امام طحاوی سے ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز القاضی کے واسطے سے شعیب بن ایوب سے نقل کیا ہے اور اس کی سند بہ ظاہر درست ہے اور ثقہ و صدوق راویوں پر مشتمل ہے۔ مگر اس میں جو عیسیٰ بن ہارون کے جواب میں اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی گالیوں سے بھری ہوئی کتاب کا ذکر ہے، ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دلیل کا جواب دلیل سے ہوتا ہے، گالیوں سے نہیں۔ محقق کتاب علامہ لطیف الرحمن صاحب نے فرمایا ہے:

”لم أجدي مصادر ترجمته اسم هذا الكتاب، والشخص يفسق بسبب مثل هذا الكتاب وهو إمام من أئمة المسلمين.“

(حاشیہ فضائل أبي حنيفة، ص ۳۷۱)

”میں نے اسماعیل کے ترجمے میں اس کتاب کا نام کہیں نہیں پایا، اس جیسی کتاب سے انسان فاسق ہو جاتا ہے مگر وہ تو مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں۔“

اسماعیل بن حماد کون اور کیا تھے، یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہم تو بس یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن ابی العوام نے جس سند سے اسماعیل کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے کیا اس سند کی توثیق کے بعد اسماعیل کی اس کتاب سے انکار کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیا شیخ لطیف الرحمان صاحب کے بقول یہ اسماعیل کے فسق کی دلیل ہے یا نہیں؟ یا ابن ابی العوام کی بیان کردہ حکایت ہی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ وہ مجہول ہے اور اس کی توثیق ثابت نہیں۔

کتاب الحیل کا مصنف:

امام ابو حنیفہ کے حلقے میں ”کتاب الحیل“ نامی ایک کتاب کا نام ملتا ہے جس کا انتساب امام ابو حنیفہ کی طرف کیا گیا ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ جو اس کے موافق فتویٰ دے اس کا حج باطل اور اس کی عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔ نصر بن شہیل نے کہا ہے کہ اس میں کئی کفریہ مسائل ہیں۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/ ۴۰۳)

”وإسماعيل بن حماد أ يضاربني من ذلك رغم من يزعمه في رواية الذهبي.“

(حاشية تأنيب، ص: ١٤٨)

”اور اسماعيل بن حماد بھی اس سے بری ہیں اس کی مرضی کے برعکس جو ذہبی کی روایت کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسماعیل کی کتاب ہے۔“

حالانکہ یہ علامہ ذہبی کی کوئی خود ساختہ روایت نہیں بلکہ یہ روایت ابن ابی العوام کی ہے۔ ابن ابی العوام کی یہ کتاب علامہ کوثری کے پیش نظر ہے اور جابجا اس کے انھوں نے حوالے بھی دیے ہیں۔ مگر اس کے باوجود علامہ کوثری اس سے انماض کرتے ہوئے اسے علامہ ذہبی کی روایت کہہ کر دل کا غبار کم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ ایسی چارہ جوئی ہمیشہ کارگر نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ اور ابن ابی العوام:

ابن ابی العوام نے امام صاحب کے فضائل پر یہ کتاب لکھی ہے تاہم اس میں وہ اقوال بھی ہیں جو امام صاحب پر جرح و قدح میں شمار ہوتے ہیں، مثلاً: امام یحییٰ بن معین کا ایک قول یہ بھی منقول ہے:

”أبو حنيفة صدوق غير أن في حديثه ما في حديث المشائخ، قال إبراهيم: يعني من الغلط.“

(فضائل، ص: ٣٠٢، رقم: ٦٩٣)

”ابو حنیفہ صدوق ہیں مگر ان کی حدیث میں وہ کچھ ہے جو مشائخ کی حدیث میں ہے، ابراہیم بن معین بن ابی داؤد کہتے ہیں: ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کی حدیث میں غلطی پائی جاتی ہے۔“

علامہ کوثری کی ایک اور حیا لاک:

یہی قول علامہ ذہبی نے مناقب الامام ابی حنیفہ (ص: ٢٠) میں بھی نقل کیا ہے۔ علامہ کوثری نے حسب سابق یہاں بھی یہ ہوشیاری دکھائی ہے کہ ”هذا التفسير من الذهبي“ ”یہ ذہبی کی تفسیر ہے۔“ حالانکہ یہ تفسیر امام طحاوی کے استاد حافظ ابراہیم بن ابی داؤد

محمد بن اسحاق الترمذی نے الفہرست (ص: ٣٢٥) میں اسے امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (١٢/ ٣٢٦) میں قاضی ابو یوسف کی طرف بھی ”کتاب الحیل“ کا انتساب کیا ہے۔

ابن ابی العوام نے امام محمد سے نقل کیا ہے:

”هذا الكتاب يعني كتاب الحيل ليس من كتبنا، إنما ألقى فيها، قال ابن أبي عمير: إنها واضحة إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة.“

(فضائل، ص: ٣١٥، رقم: ٨٤٢)

”یہ کتاب، یعنی ”کتاب الحیل“ ہماری کتابوں میں سے نہیں، یہ ہماری کتابوں میں شامل کر دی گئی ہے۔ احمد بن ابی عمران نے کہا کہ یہ اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی تصنیف ہے۔“

قابل غور بات ہے کہ امام محمد اس ”کتاب الحیل“ سے، جو اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی تصنیف ہے، براءت کا اظہار کیوں فرما رہے ہیں؟ اگر اس میں صرف صحیح بخاری کا ذکر تھا تو اس سے براءت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جو صاحب گالیوں سے بھری کتاب لکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے ان کا ”کتاب الحیل“ لکھنا کیسے باعثِ تعجب ہو سکتا ہے۔

علامہ کوثری کی حیا لاک:

علامہ کوثری کی اتباع میں مولانا لطیف الرحمان صاحب نے حاشیہ میں جو لکھا ہے اس پر علامہ معلیٰ کا تبصرہ التتکیل (١/ ٢٣٩)، ٢٣٠) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

تجب کی بات یہ ہے کہ علامہ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہ و صاحبہ (ص: ٥٢) میں امام محمد کا یہی قول، یعنی ”کتاب الحیل“ سے براءت، ذکر کیا ہے اور ساتھ احمد بن ابی عمران کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ اسماعیل بن حماد کی تصنیف ہے۔ مگر علامہ کوثری کی ہوشیاری دیکھیے کہ وہ ”کتاب الحیل لابی حنیفہ“ کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں:

کے اقوال کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسی آخری دور کا ایک قول ابن ابی العوام نے بھی ذکر کیا ہے:

”کان عبد اللہ بن المبارک یذکر عن ابي حنیفہ، فکانوا اذا اجتمعوا بالشجر لم یحدث ابن المبارک عن ابي حنیفہ بشیء۔“

(فضائل، ص: ۲۷۷، رقم: ۶۱۷)

”امام عبد اللہ بن مبارک امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے تھے۔ جب وہ ”الشجر“ میں جمع ہوئے تو انھوں نے امام ابو حنیفہ سے کوئی چیز روایت نہ کی۔“

”الشجر“ سے مراد سرحد ہے جہاں وہ دشمن سے جہاد کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ امام عبد اللہ بن مبارک کی سوانح میں ہے کہ اسی ”الشجر“ سے واپسی پر ان کا انتقال ہو گیا۔

یہاں یہ بات بھی دیکھیے کہ امام ابن حبان نے بہ سند صحیح ابراہیم بن شماس کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ میں نے امام ابن مبارک کو ”الشجر“ میں دیکھا وہ لوگوں پر کتاب کی قراءت کر رہے تھے۔ جب امام ابو حنیفہ کا ذکر آتا تو فرماتے: ”اضر بوا علیہ۔“ ”اسے کاٹ دو۔“ اور یہ آخری کتاب تھی جو انھوں نے لوگوں کو سنائی۔ (الثقات: ۸/۷۰) بلکہ السنۃ لابن أحمد (۱/۳۱۴) میں ہے کہ یہ واقعہ امام ابن مبارک کی وفات سے ۱۳، ۱۴ دن پہلے کا ہے۔ ابن ابی العوام بھی امام ابن مبارک کا ”الشجر“ میں ایسا طرز عمل ذکر کرتے ہیں، البتہ اس کے ساتھ یہ بھی نقل فرماتے ہیں:

”ولا یذکر أبو إسحاق الفزاري أبا حنیفہ بسوء حتی یخرج ابن المبارک۔“

”اور امام ابو اسحاق الفزاری امام ابن مبارک کے چلے جانے کے بعد امام ابو حنیفہ پر حرف گیری کرتے تھے۔“

یہ اس لیے کہ امام عبد اللہ بن مبارک پہلے امام صاحب کے حلقہ گوش تھے اور ان کے مداح تھے مگر امام ابو اسحاق ان کے برعکس رائے رکھتے تھے لیکن امام عبد اللہ بن مبارک کے احترام میں ان کی

البرسی کی ہے اور ابن ابی العوام نے ہی یہ وضاحت ان سے نقل کی ہے۔ اور وہ امام یحییٰ بن معین کے شاگرد ہیں اور اس قول کی حکایت کر رہے ہیں۔ ابن ابی العوام کی یہ کتاب علامہ کوثری کے پیش نظر ہے مگر حسب سابق یہاں بھی اسے علامہ ذہبی کی تفسیر کہہ کر اس تفسیر سے جان چھڑانے کا بہانہ بنا رہے ہیں۔

اسی طرح امام صاحب کے تلامذہ کے ذکر میں ابن ابی العوام نے زائدہ بن قدامہ کا نام بھی لیا ہے اور ان کا یہ قول ذکر کیا ہے:

”النعمان بن ثابت کثیر الخطأ فی الحدیث، فقیہ البدن۔“ (فضائل، ص: ۱۴۹، رقم: ۲۶۱)

”نعمان بن ثابت حدیث میں کثرت سے خطا کرنے والے، بڑے مضبوط فقیہ تھے۔“

لیجیے جناب! علامہ کوثری تو ابراہیم البرسی کی وضاحت پر جربز تھے، یہاں بات تو خطا سے اوپر کثرتِ خطا تک جا پہنچی ہے اور وہ بھی ان کے اپنے تلمیذ رشید سے۔

امام صاحب کے تلامذہ میں ایک نام اسرائیل بن یونس کا بھی ہے، ابن ابی العوام نے انھی کا یہ قول ذکر کیا ہے:

”نعم الرجل النعمان بن ثابت علی قلعة روايته للحدیث۔“ (فضائل، ص: ۱۵۱، رقم: ۲۶۸)

”نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) اپنی کم احادیث کے باوجود اچھے آدمی ہیں۔“

امام صاحب کی روایات کتنی ہیں ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں اور نہ ہی یہ ذکر کرنے کی ضرورت ہے کہ یہی بات اور کن کن حضرات نے کہی ہے کیونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں۔ ہم نے تو بس یہ عرض کرنا ہے کہ امام صاحب کے فضائل کے ضمن میں ایسی باتوں کا تذکرہ بھی ابن ابی العوام نے کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام عبد اللہ بن مبارک بھی امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیے گئے اور امام صاحب کے فضائل و مناقب میں کچھ اقوال بھی ان سے نقل کیے جاتے ہیں مگر ان کے برعکس ان کے آخری دور

روایات کے امین تھے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی، الفاظ کی ادائیگی میں لحن پیدا ہو جاتا مگر اس کے باوجود وہ بالاتفاق ثقہ ہیں، حتیٰ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ”مالک عن نافع عن ابن عمر“ کی سند أصح الأسانید (صحیح ترین سند) ہے۔ اس کے برعکس ابن ابی العوام ذکر کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا:

”أتيت المدينة لأكتب عن نافع مولی ابن عمر فسمعتہ يقول: ”کال ابن عمر“ فتركتہ، وقلت: كيف أكتب عن رجل لا يحسن يقول: قال ابن عمر.“ (فضائل، ص: ۱۲۷، رقم: ۲۱۱)

”میں مدینہ طیبہ آیا کہ نافع مولی ابن عمر سے احادیث لکھوں، میں نے ان سے سنا وہ (قال ابن عمر کی بجائے) کہتے ہیں: ”کال ابن عمر۔“ چنانچہ میں نے انھیں چھوڑ دیا اور کہا کہ میں اُس سے حدیث کیسے لکھوں جو اچھی طرح ”قال ابن عمر“ نہیں کہہ سکتا۔“

یادش بخیر! اسی بنا پر کوفہ کی علمی برتری کی ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ اہل مدینہ میں لحن پایا جاتا ہے۔ (تقدمه نصب الراية، ص: ۳۶) سبحان الله

ابن ابی العوام کا بیان کیا ہوا امام صاحب کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے امام نافع سے روایت لینا درست نہیں سمجھا اور ان کی مصاحبت اس لیے ترک کر دی کہ ان کی زبان میں لحن ہے۔ اس کے برعکس ”کتاب الآثار“ سے لے کر ”جامع المسانید“ تک کتابوں میں ”أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر“ کی سند سے متعدد روایات ہیں حتیٰ کہ استاد ابو عبد اللہ حارثی نے ”ما أسند الإمام أبو حنيفة رحمه الله عن نافع مولی ابن عمر رضي الله عنهما“ کے عنوان سے تیس کے قریب روایات ذکر کی ہیں۔ علامہ خوارزمی نے امام صاحب کے اساتذہ میں حرف ”ن“ میں سب سے پہلے امام نافع کو ہی ذکر کیا ہے اور امام مالک کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ جب میں کوئی حدیث ”نافع عن ابن عمر“ سے سن لیتا ہوں تو

موجودگی میں خاموش رہتے تھے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنی رائے کی کمزوری کی وجہ سے خاموش رہتے تھے۔

یہ بات معلوم ہے کہ علامہ کوثری نے حسب حال ابراہیم بن شماس پر بھی تعصب کا الزام لگایا اور ان کے اس بیان پر نقد کیا ہے جس کا جواب علامہ معلی نے التتکیل (۱/ ۸۸، ۸۹) میں دیا اور بحث کا حق ادا کر دیا۔

ہمارے نزدیک تو ابن ابی العوام کی یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ ابن ابی العوام کی توثیق ثابت نہیں اور اسماعیل بن داود ضعیف ہے حتیٰ کہ امام بخاری نے ”منکر الحدیث“، امام ابن حبان نے ”سیرق الحدیث“ اور امام ابوداؤد نے ”لا یسوي شیئاً“ کہا ہے۔ (لسان: ۴۰۳/۱، ۴۳۸، ۴۳۶، میزان: ۱/ ۲۶۱، ۲۵۵ وغیرہ)

لیکن علامہ کوثری نے تو ابن ابی العوام کی اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ (تانیب، ص: ۱۱۳، ط: دارالکتب العربی، بیروت)

اس لیے امام عبد اللہ بن مبارک کا امام ابو حنیفہ سے روایت نہ لینے اور آخری عمر میں ان پر کلام کرنے سے انکار محض مجادلہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فضائل أبي حنيفة (ص: ۲۶۷، رقم: ۵۷) ہی میں ہے کہ امام ابن مبارک نے فرمایا:

”ما رأيت أحداً عندي أفضل من سفیان بن سعید۔“

”میں نے سفیان بن سعید ثوری سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔“

بلکہ تقدمه الجرح والتعديل (ص: ۵۶) میں ہے:

”زمین پر میں سفیان سے زیادہ عالم کوئی نہیں جانتا۔“

بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے ۱۱۰ شیوخ سے سماع کیا ہے، سفیان ثوری سے افضل کوئی نہیں جس سے میں نے حدیث لکھی ہو۔

(تہذیب: ۱۱۳/۲)

امام نافع اور امام ابو حنیفہ:

امام نافع رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ کے غلام تھے اور ان کی

کسی اور سے سننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ علامہ خوارزمی اس کے بعد لکھتے ہیں:

”ویروی عنه الإمام أبو حنیفة فی هذه المسانید۔“

(جامع المسانید: ۲/۵۶۳)

”ان سے امام ابو حنیفہ ان مسانید میں روایت کرتے ہیں۔“
امام نافع سے ان کی روایات اور ان کے تلمذ کا انکار کسی نے نہیں کیا مگر ابن ابی العوام کی روایت اس کے برعکس ہے اور استاد کوثری کا ”تقدمة نصب الراية“ میں اس پر اعتماد ہے۔ فوا أسفنا
ترجیح کا ایک اصول:

ابن ابی العوام نے قاضی ابو یوسف سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ فرماتے: تمہارے پاس اس بارے میں کون سے آثار ہیں؟ ہم جب وہ آثار ذکر کرتے تو امام صاحب ان پر اور ان آثار پر جو ان کے علم میں ہوتے غور کرتے:

”فإن كانت الآثار في أحد القولين أكثر أخذ

بالأكثر۔“ (فضائل، ص: ۹۹، رقم: ۱۴۳)

”اگر دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول کے موافق آثار

زیادہ ہوتے تو زیادہ آثار والے قول کو اختیار کرتے۔“

اور اگر آثار دونوں اقوال کے قریب قریب اور برابر ہوتے تو غور و فکر کے بعد کسی ایک قول کو اختیار کرتے۔

یہ اصول ترجیح ابن ابی العوام نے ”محمد بن أحمد أبو بشر الدولابي أخبرني محمد بن شجاع قال: سمعت الحسن بن أبي مالك يقول عن أبي يوسف“ کی سند سے ذکر کیا ہے۔ مگر کیا فی الواقع یہی امام صاحب کا اصول ہے اور حنفی اصول میں اس کو پذیرائی حاصل ہے؟ ”إنهاء السکن“ جسے بعد میں ”قواعد علوم الحديث“ کا نام دیا گیا، میں ”مسلم الثبوت“ کے حوالے سے ہے:

”لا ترجیح بکثرة الرواية عند أبي حنیفة وأبي

یوسف خلافاً لأكثر العلماء الأئمة الثلاثة

ومنهم محمد۔“ (قواعد، ص: ۲۹۷)

”ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک کثرت روایات

ترجیح کا باعث نہیں مگر ائمہ ثلاثہ کے اکثر علماء، جن میں امام

محمد بھی ہیں، کا موقف اس کے برعکس ہے۔“

لیجئے جناب! جب امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کثرت روایات کو ترجیح کا باعث قرار نہیں دیتے تو ابن ابی العوام کی اس حکایت کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟

حیرت ہے کہ امام صاحب کا یہ طرز عمل قاضی ابو یوسف کے واسطے سے نقل ہوا ہے۔ مگر نہ قاضی صاحب کا یہ موقف ہے اور نہ ہی

امام ابو حنیفہ کا موقف یہ بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی

طرف اس کا انتساب محمد بن شجاع الثلجي کی کارستانی ہے یا ابن ابی

العوام اس کے ذمہ دار ہیں جو مجہول ہیں۔ محمد بن شجاع فقیہ اور عبادت

گزار تھا مگر جہمی بدعتی فرقے سے تعلق رکھتا تھا اور روایت میں قابل

اعتبار نہ تھا۔ امام ابن عدی نے کہا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کے بارے

میں احادیث گھڑ کے اصحاب الحدیث کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔

موسیٰ بن قاسم الاشیب کہتے ہیں: وہ ”کذاب“ تھا۔ امام ازدی نے بھی

کہا ہے: وہ ”کذاب“ ہے، اس کے بُرے مذہب کی وجہ سے اس

ے روایت لینا حلال نہیں۔

امام ساجی فرماتے ہیں: وہ ”کذاب“ ہے، حدیث رسول ﷺ

کو رد کرنے اور اپنے مذہب کی تائید میں دھوکا دیتا تھا۔

(تہذیب: ۹/۲۲۰)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے دیوان الضعفاء (ص: ۲۷۵) اور المغنی

(۲/۵۹۱) میں امام ابن عدی کا کلام نقل کیا ہے اور اسی بنا پر علامہ

برہان الدین حلبی رحمہ اللہ نے اسے ”وضاعین“ میں شمار کیا ہے۔

(الکشف الحثیث، ص: ۳۷۹)

اس لیے امام صاحب کی طرف اس اصول کا انتساب صحیح نہیں اور

نہ ہی اسے حنفی اصول میں تسلیم کیا گیا ہے، تاہم ابن ابی العوام نے

اسے ذکر کیا ہے۔

امام ابراہیم نخعی کے قول کی وضاحت:

سابقہ اصول کی طرح یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ امام ابراہیم نخعی کا قول امام صاحب بواسطہ حمادیوں بیان فرماتے ہیں:

((أخطأ الناس في قولهم: كل مسكر حرام، إنما هو كل مسكر حرام.)) (فضائل، رقم: ۴۱۹، ص: ۲۱۱)

یہی قول معمولی اختلاف سے امام محمد رحمہ اللہ نے الآثار (رقم: ۸۴۳، ص: ۱۸۵) میں نقل کیا ہے۔ کتاب الآثار اور مسند ابن خسرہ کے حوالے سے اسے علامہ خوارزمی نے جامع المسانید (۱۸۹/۲) میں بھی ذکر کیا ہے۔

ہمیں یہاں اس قول کے حوالے سے کچھ عرض نہیں کرنا۔^۱ بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ امام محمد نے یہ قول ذکر کر کے فرمایا ہے: ”ہو قول أبي حنيفة۔“ ”یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔“ ابن ابی العوام نے بھی امام دوالابی عن محمد بن ہاشم البعلبکی عن شعیب بن إسحاق کی سند سے امام نخعی کا یہی قول امام ابوحنیفہ سے نقل کیا اور ساتھ شعیب بن اسحاق سے یہ بھی نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے:

”كأنّي أسمع من فلق فيه -يعني أبا حنيفة- يقول: إني أخاف أن يكون هو الذي أخطأ، إني أخاف أن يكون هو الذي أخطأ.“ (فضائل، رقم: ۴۱۹)

”میں نے اس سے سنا جسے اس (علم) میں مہارت ہے، یعنی ابوحنیفہ، وہ فرماتے تھے: مجھے ڈر ہے کہ اسی نے (اس میں) خطا کی ہے، میں ڈرتا ہوں کہ اسی نے خطا کی ہے۔“

غور فرمائیے، شعیب بن اسحاق نے امام ابراہیم کے قول کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ کی بصیرت و مہارت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امام صاحب نے فرمایا: میں تو ڈرتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کو خطا وارٹھرانے والے نے ہی خطا کی ہے۔

کیا یہ تردید موقوف اس کی اجازت دیتا ہے کہ امام صاحب وہی

مسلک اختیار کریں جس کی انھوں نے تردید کی ہے؟ حالانکہ امام صاحب کا وہی مسلک ہے جو ابراہیم نخعی کا ہے اور وہی خفی موقف ہے کہ حرام وہ ہے جس سے نشہ آئے۔ نشہ آور کی قلیل مقدار حرام نہیں ہے۔ اس کے برعکس جو بات امام صاحب سے ابن ابی العوام نقل کر رہے ہیں اس کی پوزیشن کیا ہے؟ شعیب بن اسحاق ثقہ ہیں، امام دوالابی گو متکلم فیہ ہیں مگر امام دارقطنی نے ان کی توصیف بیان کی ہے۔ محمد بن ہاشم البعلبکی بھی صدوق وثقہ ہے۔ (تہذیب: ۲/۴۹۴) بتلائیے اب اس موقف کو نقل کرنے کا ذمہ دار کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اسی ”فضائل أبي حنيفة“ میں امام عبد اللہ بن مبارک کا یہ قول بھی مذکور ہے:

”ما وجدت الرخصة في المسكر عن أحد صحيح إلا عن إبراهيم.“

(فضائل، ص: ۲۷۷، رقم: ۶۱۶)

”میں نے مسکر (یعنی نشہ آور کو پینے) کی رخصت کے بارے میں ابراہیم نخعی کے علاوہ اور کسی کا صحیح قول نہیں پایا۔“ گویا سب سے پہلے یہ فتویٰ ابراہیم نخعی کا ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ:

ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ امام سفیان رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں بلکہ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن ابی العوام نے فضائل میں امام ابوحنیفہ کے امام سفیان ثوری کے بارے میں جو تاثرات بیان کیے ہیں وہ بجائے خود امام صاحب کے مقام و مرتبہ سے فروتر ہیں، چنانچہ ابن ابی العوام اپنی سند سے عبید اللہ بن زیاد کو فی سے نقل کرتے ہیں: امام ابوحنیفہ مسجد میں اپنے حلقے میں بیٹھے تھے کہ سفیان ثوری حلقہ کے پاس آ کے سرچھپا کے لیٹ گئے اور جو مسائل بیان ہو رہے تھے سننے لگے، امام ابوحنیفہ اس صورت

۱ اس قول کے حوالے سے ہم اپنی معروضات ہفت روزہ ”الاعتصام“ میں شائع شدہ مقالہ ”کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟“ کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں،

ملاحظہ فرمائیے الاعتصام: ۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳، ۱۳ مارچ ۲۰۰۹ء۔

حال کو جان گئے۔ امام صاحب نے ایک رات فرمایا:

”حدثنا أبو هذا النائم سعيد الثوري رحمه الله،

فلم يعد سفيان بعد إلى ذلك.“

(فضائل، ص: ۲۸۳، رقم: ۳۳۹)

”مجھے اس سوئے ہوئے کے باپ سعید ثوری نے حدیث

سنائی۔ اس کے بعد سفيان اس طرف نہیں آئے۔“

یہ کہانی جہاں امام سفيان ثوری کے شایانِ شان نہیں وہاں یہ استہزائی صورت امام ابوحنیفہ کے ورع و تقویٰ کے بھی منافی ہے۔ انھوں نے امام سفيان سے قطعاً روایت نہیں لی بلکہ کہا گیا ہے کہ امام سفيان نے ان سے روایت لی ہے، حالانکہ یہ بھی امرِ واقع کے خلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا استاد ابراہیم بن احمد بن سہل الترمذی اور عبید اللہ بن زیاد کوئی کون اور کیسا ہے، کتبِ رجال میں ان کا ”ذکر خیر“ کہیں موجود نہیں۔ علامہ قرشی نے عبید اللہ کا ”الجواب المضيہ“ میں امام صاحب کا شاگرد ہونے کے ناتے صرف نام ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ حکایت بھی ذکر کر دی ہے۔

اسی طرح سلم بن سالم سے منقول ہے کہ ہم مسعر بن کدام کے پاس بیٹھے تھے اور امام سفيان ثوری بھی وہاں تھے کہ امام ابوحنیفہ تشریف لائے۔ امام مسعر نے صدرِ مجلس میں ان کے لیے جگہ بنائی۔ امام صاحب نے سلام کہا اور بیٹھ گئے۔ امام مسعر نے ان سے کہا: آپ نے ابو عبید اللہ کو سلام کیوں نہیں کہا؟ امام صاحب نے فرمایا: کون ابو عبید اللہ؟ امام مسعر نے کہا: سفيان۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا: یہ مسکین ہمارے بعد شیخ بن گیا ہے۔

(فضائل، ص: ۱۰۷، رقم: ۱۶۷)

اس کہانی پر بھی غور فرمائیے، امام سفيان ۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہ فوت ہوئے تو اسی سال امام سفيان کوفہ چھوڑ کر بصرہ تشریف لے گئے اور وہاں ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

(تہذیب: ۴/۱۱۴ وغیرہ)

بایں صورت امام سفيان کے بارے میں امام صاحب کا یہ فرمانا: ”مسکین لقد شیخ بعدنا“ کہاں تک درست ہے جب کہ خود امام صاحب کا یہ قول بھی ہے:

”لو حضر علقمة والأسود لاحتاجا إلى

سفيان.“ (السیر: ۲۳۸/۸، تاریخ بغداد: ۳۳۴/۱۳)

”اگر علقمہ اور اسود ہوتے تو وہ دونوں سفيان کے محتاج

ہوتے۔“

بلکہ ان کے استاد ابواسحاق سبیمی جب امام سفيان کو آتا ہوا دیکھتے تو فرماتے:

﴿وَاتَيْنَا الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ (مرید: ۱۱۲)

”ہم نے بچپن میں ہی اسے ”الحکم“ (علم و سمجھ) عطا کیا۔“

(السیر: ۲۳۷/۸)

اندازہ کیجیے کہ ابواسحاق سبیمی عمرو بن عبد اللہ ۱۲۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی اس رائے کے بعد امام صاحب کے اس قول کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟ امام سفيان بن عیینہ، جو امام ابوحنیفہ کے بھی تلمیذ ہیں، فرماتے ہیں:

”ابن عباس، عامر شعبی اور سفيان ثوری جیسا اپنے اپنے

زمانے میں اور کوئی نہیں۔“

امام عبد اللہ بن مبارک کی رائے پہلے گزر چکی ہے۔ یہ اور اس نوعیت کی دوسری آراء کے مقابلے میں اس قول کی پوزیشن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا مرکزی راوی سلم بن سالم ہے۔ محدثین کا اس کے ”ضعیف“ ہونے پر اتفاق ہے بلکہ اس پر وضع حدیث کا الزام ہے۔ دال مسور کی فضیلت کی روایت اس کی من گھڑت ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس کے بارے میں ”لیس بذاک“، امام ابن معین نے ”لیس بشيء“، امام ابوزرعہ نے ”لا یکتب حدیثہ“ کہا ہے اور امام ابن مبارک فرماتے ہیں:

سلم کے سانپوں سے بچو، یہ تمہیں ڈس نہ لیں۔

(میزان: ۲/۱۸۵، لسان: ۳/۶۳)

اسی نوعیت کی یہ بات بھی دیکھیے کہ علی بن مسہر فرماتے ہیں:

”ہم امام سفیان ثوری کے پاس آتے جاتے تھے اور ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ وہ ہمیں ایسا جواب دیتے تھے جو امام ابوحنیفہ کے موقف کے خلاف ہوتا، پھر ہم انہیں امام صاحب کا اس بارے میں قول بتلاتے، اس کے بعد اسی مسئلے کے بارے میں امام سفیان سے پوچھتے تو وہ امام صاحب کے قول کے مطابق جواب دیتے۔ اس کا ذکر ہم نے امام صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا: ”تفقهوہ وتعلموہ۔“ ”تم اس سے فقہ حاصل کرو اور اس سے علم حاصل کرو۔“ (فضائل، ص: ۱۰۵، رقم: ۱۶۱)

امام سفیان رحمہ اللہ کے بارے میں یہ طنزیہ انداز ہم امام ابوحنیفہ کے شایان شان نہیں سمجھتے۔ ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا سلسلہ سند بھی بحث طلب ہے۔ بات اتنی ہی نہیں، اس کے ساتھ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ علی بن مسہر نے فرمایا: میں نے امام سفیان سے پوچھا: کیا آدمی اپنی بیوی کے ہمراہ ہوتے ہوئے سالی کا محرم ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کا ذکر امام صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا: اگر آدمی کی چار بیویاں ہوں تو وہ بنات آدم کا محرم ہوگا۔

(فضائل، ص: ۱۰۵، رقم: ۱۶۱)

حالانکہ علم دین سے معمولی شہد رکھنے والا طالب علم بھی جانتا ہے کہ عورت کے لیے بغیر محرم سفر کی جو ممانعت ہے اس سے وہ محرم مراد ہے جو محرم ابدی ہے۔ مگر ابن ابی العوام کی اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سفیان ثوری اس سے بھی بے خبر تھے۔ (سبحان اللہ)

بلکہ اس کے متصل بعد یہ ”بشارت“ بھی قاضی ابو یوسف کی زبانی مذکور ہے:

”سفیان الثوري أكثر متابعة لأبي حنيفة مني.“

(أيضاً، ص: ۱۰۵)

”سفیان ثوری مجھ سے زیادہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں۔“

مگر افسوس کہ اس کے باوجود امام سفیان کا حنفیت میں وہ مقام نہیں جو قاضی ابو یوسف کا ہے۔ اس قول کا دار و مدار محمد بن شجاع ثلجی پر ہے۔ اسی کے واسطے سے ہی علامہ ابن عبد البر نے یہ قول ”الانتقاء“ (ص: ۱۹۸) میں بھی ذکر کیا ہے۔ محمد بن شجاع اگرچہ بڑے عابد اور فقیہ تھے مگر روایت حدیث میں سخت ضعیف ہیں، حتیٰ کہ ان پر وضع حدیث کا الزام ہے جیسا کہ پہلے باحوالہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور خوب صورت ”بشارت“ یہ بھی ہے: یوسف بن خالد کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کتابیں امام سفیان کو پیش کی گئیں تو انہوں نے فرمایا:

”یہی میرا قول ہے۔ ان پر ”کتاب الرهن“، جس میں بڑے مشکل مسائل تھے، پیش کی گئی تو انہوں نے کہا: یہی میرا قول ہے۔ مگر جب کسی مسئلے کی تفصیل ان سے پوچھی جاتی تو اس کی وضاحت نہ کر سکتے تھے۔“

(فضائل، ص: ۱۲۸، رقم: ۲۵)

بلاشبہ علم کسی کی میراث نہیں مگر مجہول اور کذاب راویوں کے بیان کے سہارے ایک کا تفوق اور دوسرے کی تذلیل مقلدین کا شیوہ رہا ہے۔ یہاں بھی یہی فکر کار فرما ہے۔ یوسف بن خالد سمتی، جو اس حکایت کا مرکزی کردار ہے، کے بارے میں امام یحییٰ بن معین، جنہیں حنفی باور کرایا جاتا ہے، نے کہا ہے:

”کذاب زنديق لا يكتب حديثه، كذاب خبيث عدو الله تعالى.“

امام عمرو بن علی نے بھی کہا ہے: ”یکذب“ امام ابو حاتم اور ابو زرہ نے ”ذاهب الحديث“، امام بخاری نے ”سکتوا عنه“، امام ابو داؤد نے ”کذاب“، امام نسائی نے ”لیس بثقة ولا

کتب مناقب کی روایات اکثر و بیشتر اسی قسم کے راویوں کی حکایات سے بھری ہوتی ہیں۔ (جاری ہے)



مأمون، ابن حبان نے ”یضع الحدیث“، امام عجمی نے ”متروک، لیس بثقة“ اور یعقوب بن سفیان نے ”لا یکتب حدیثہ“ کہا ہے۔ (تہذیب: ۱۱/۳۱۱، ۳۱۲)

امام ابن عدی نے کہا ہے:

”وقد أجمع علی کذبہ أهل بلدہ.“

(الکامل: ۷/۲۶۱۹)

”اس کے شہر والے اس کے جھوٹا ہونے پر متفق ہیں۔“

علامہ سمعانی فرماتے ہیں:

وہ شیوخ کے نام پر احادیث گھڑتا اور ان کے نام سے روایت کرتا تھا۔ اس سے روایت حلال نہیں اور نہ کسی صورت اس سے استدلال صحیح ہے۔ اس کے بعد انھوں نے امام یحییٰ بن معین، ابو حاتم اور ابو زرہ کا اس پر کلام نقل کیا ہے۔ (الانساب، ۳/۲۹۴)

الاعتصام

ایک علمی، اصلاحی اور دعوتی جریدہ ہے، اس کے فروغ اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔ اس سے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ (ادارہ)

بقیہ: عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

”اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہو۔“

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۱/۹۸ مختصر)

مذکورہ بالا قرآنی آیات، احادیث، تاریخ اور فتاویٰ کی روشنی میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان سے ہر اُس انسان کے لیے جو ادنیٰ سی عقل و بصیرت رکھتا ہو، حق کا متلاشی اور ساتھ ساتھ منصف مزاج بھی ہو یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ میلاد النبی ﷺ کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یقیناً یہ ایک صریح بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے اس جیسی دوسری بدعی رسومات سے بھی اجتناب کیا جائے اور اپنے دینی عقائد اور ایمان کو قرآن و صحیح احادیث کی بتلائی ہوئی زریں تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اسی کے مطابق ڈھالنے کی سعی فرمائی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۚ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ ءَالٍ ۖ﴾

[الرعد: ۱۱]

”کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو بدلائیں کرتا اور بہ جز اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں ہوتا۔“

(بہ شکر یہ ماہنامہ ”محدث“، بنارس)

دبستانِ نذیریہ کے گلِ سرسبد

مولانا عبدالحق محدثِ ملتانی رحمہ اللہ

ریاضِ احمد عاقب اثری

حلِ مشکل گر ہی خواہی

ہست مشکل کشا فرید الدین

”کوٹ مٹھن آؤ تا کہ تم خیر الوریٰ کا چہرہ دیکھ سکو کیونکہ یہاں شاہِ حجاز غلامِ فرید کی شکل میں آئے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اگر تم مشکل حل کروانا چاہو تو فرید الدین تمہارے مشکل کشا ہیں۔ پورا دیوان اسی قسم کی فضولیات اور شرک سے بھرا پڑا ہے۔“

(ماخوذ از مولانا محمد جلال پوری، ص: ۳۰۰)

اس وقت کے جید حنفی علمائے کرام میں سے مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا مفتی رحیم یار ملتانی، مولانا عبد العظیم ملتانی، مولانا سید غلام حسین شاہ مظفر گڑھی اور غلام رسول مظفر گڑھی نے اگرچہ مولوی محمد یار کے خلاف تقاریر میں اپنے مسلک حنفی کے مطابق تردید کی مگر جماعتِ اہل حدیث کے مایہ ناز سپوت اور حق گوئی کے پیکر مولانا عبدالحق محدثِ ملتانی رحمہ اللہ نے اپنے قلم سے برجستہ دلائل سے بھرپور تحریری جوابات اور اشتہارات شائع کر کے اسے ایسا منھ توڑ جواب دیا کہ اس وقت کے حنفی عوام دنگ رہ گئے۔ ملتان شہر میں ان علمی مباحث کا بڑا چرچا رہا۔

جماعتی و تنظیمی خدمات:

یہ بات قارئینِ کرام کے علم میں آچکی ہے کہ ملتان شہر کے منتشر سلفی العقیدہ حضرات کو جمع کرنے کے لیے مولانا سلطان محمود ملتانی رحمہ اللہ نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ مولانا سلطان محمود ملتانی رحمہ اللہ کے بعد مولانا عبدالحق محدثِ ملتانی رحمہ اللہ نے اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر ۱۹۱۰ء میں ”انجمن اہل حدیث“ کی بنیاد ملتان میں رکھی تاکہ جماعتِ اہل حدیث کے تمام افراد کو اکٹھا کر کے ایک نظم کے تحت چلایا جائے۔ ۱۹۱۰ء سے لے کر وفات (۱۹۴۵ء) تک مولانا عبدالحق محدثِ ملتانی رحمہ اللہ

توحید باری تعالیٰ کا دفاع اور مولانا عبدالحق ملتانی:

مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ حق گو، بے باک اور توحید پرست عالم دین تھے۔ توحید باری تعالیٰ کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ریاست بہاول پور کا مشہور واعظ اور بدعتی مولوی محمد یار گڑھی والا ملتان آیا اور دربارِ پیر صاحب کو اپنے مواعظ کے لیے اڈا بنا کر بدعتی مکتب فکر کی تائید میں سید صدر الدین شاہ گیلانی کی زیرِ قیادت توحید باری تعالیٰ اور صفاتِ الہی کے خلاف سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کو عالم الغیب، حاضر ناظر، مختار کل اور نور و بشر ایسے باطل عقائد و نظریات عام کرنے کی کوشش کی اور کھلے بندوں جماعتِ موحدین و عالمین بالحدیث کو لاکار۔ مولوی محمد یار گڑھی کے تعارف کے لیے ان کا یہ نمونہ کلام کافی ہے۔

دیدم بنگر کہ با چشم سرم

شکل حق دیدم محمد یار را

(دیوان محمدی، ص: ۱۰)

”میرا مشاہدہ دیکھو کہ میں نے اپنے سر کی آنکھوں سے محمد یار کو

حق کی شکل میں دیکھ لیا۔“ نعوذ باللہ من هذه الخرافات

اور مزید سنئے۔

کہوں کیا عشق میں یارو کہ کیا معلوم ہوتا ہے

وہ ہر صورت اور صورت خدا معلوم ہوتا ہے

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے

جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے

بیاور کوٹ مٹھن تا رُخِ خیر الوریٰ بینی

کہ در شکلِ فرید آمد شہنشاہِ حجاز ایں جا

ہی ”انجمن اہل حدیث“ کے صدر رہے۔

ان کی صدارت کے دور میں دو دفعہ (۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۹ء) آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس ملتان شہر منعقد ہوئے۔ اور ہر سال جماعت کا سالانہ جلسہ بھی مولانا موصوف کی زیر صدارت منعقد ہوتا رہا جس میں پٹنہ، بنارس، دہلی اور دیگر شہروں سے مشاہیر علمائے کرام تشریف لاتے تھے۔

شیخ عبدالرشید صدیقی بیان کرتے ہیں:

”آپ انجمن اہل حدیث کے جلسوں میں اس قدر عزت و احترام کے مالک ہوتے تھے کہ حجۃ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی، مولانا محمد ابوالقاسم سیف بناری اور مولانا محمد جونا گڑھی دھلوی وغیرہ رحمہم اللہ ان کو سر آکھوں پر بٹھاتے تھے۔“

(ہفت روزہ الاعتصام: ۵ مارچ ۱۹۷۱ء)

۱۹۲۹ء کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (ملتان) میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے پادری عبدالحق کو فاش شکست دی تھی جس کے نتیجے میں کافی تعداد میں عیسائی مسلمان ہوئے تھے۔ اس بارے میں بابائے تبلیغ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

”۱۹۲۹ء میں ملتان اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر، جس میں مولانا ظفر علی خاں، مولانا ابوالکلام آزاد اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ جیسے نابغہ روزگار اشخاص موجود تھے، حضرت سیالکوٹی رحمہم اللہ، توحید باری تعالیٰ پر تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ کی تقریر کے بعد شیخ الاسلام امرتسری مرحوم کا پادری عبدالحق سے اُلوہیت مسیح پر مناظرہ ہونا تھا۔ اس اجتماع میں ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان بڑی تعداد میں موجود تھے۔ جب مولانا سیالکوٹی رحمہم اللہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو اچانک آسمان پر بادل طاری ہو گئے اور بوند باندی شروع ہو گئی تو حضرت نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اور چہرہ اٹھا کر دعا فرمائی کہ اے اللہ! یہ بارش تیری رحمت ہے لیکن یہ رحمت کل بھی اُتر سکتی ہے لیکن یہ

پورے ہندوستان کا اجتماع کل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کانفرنس کا آخری دن تھا۔ فوری طور پر آندھی کا جھونکا آیا، تمام بادل اُڑا کر لے گیا اور بارش بند ہو گئی، مطلع صاف ہو گیا، فضا پر سکون ہو گئی۔ مولانا سیالکوٹی نے نہایت مؤثر انداز میں توحید باری تعالیٰ پر تقریر فرمائی۔ حضرت بخاری صاحب جیسی شخصیت، جو اپنے دور کی خطابت کی بادشاہ تھی، بھی جھوم اُٹھی۔ حضرت کی تقریر کے بعد مولانا امرتسری صاحب نے اُلوہیت مسیح پر پادری عبدالحق سے مناظرہ کیا۔ اس مناظرے میں ہندوستانی لوگوں کے علاوہ غیر ملکی انگریز بھی تھے۔ انگریز کا دور حکومت ہونے کے باوجود حضرت امرتسری نے پادری عبدالحق کے اُلوہیت مسیح کے دلائل اس قدر بے باکی اور جرأت ایمانی سے توڑ کر پاش پاش کیے کہ مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ایسی عظیم الشان فتح سے نوازا کہ سینکڑوں عیسائی جمع ہی میں کھڑے ہو کر کلمہ توحید و رسالت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔“ (مولانا محمد ابراہیم میر

سیالکوٹی، مرتبہ: قاضی محمد اسلم سیف، ص: ۷۹، ۸۰)

یہاں یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ یہ فخر جماعت اہل حدیث ہی کو حاصل ہے کہ ملتان میں سب سے پہلے دینی جلسوں اور تبلیغی اجتماعوں کا سلسلہ اسی نے شروع کیا تھا۔ اور دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ ”انجمن اہل حدیث“ کے پہلے ناظم اعلیٰ مولانا حکیم خدا بخش فارانی تھے جو مولانا عبدالحق ملتانی رحمہم اللہ کے داماد تھے۔

حکیم صاحب کی جماعتی خدمات قابل قدر ہیں۔ موصوف شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ الاعتصام کے ابتدائی رسائل میں ان کا عمدہ کلام متفرق فائلوں میں موجود ہے۔ حکیم صاحب نے اپنے زمانہ نظامت میں بڑی بڑی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۱۸ء کو دوسرا سالانہ جلسہ عام خاص باغ میں ان کی نظامت کی یادگار تھا۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں حرم گیٹ کے باہر گراؤنڈ میں پہلی ”آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس“ بھی انہی کے زیر انتظام منعقد ہوئی جس میں ہندوستان بھر سے علمائے کرام نے شرکت فرمائی۔

پھر ۱۹۲۹ء میں دوسری آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بھی انہی کے عہد نظامت میں حسین آگاہی سکول میں انعقاد پذیر ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں جب سعودی عرب میں اخوان نجد کے ہاتھوں قبوں کے انہدام پر ہندوستان بھر میں طوفان بدتمیزی برپا ہوا اور جماعت اہل حدیث کو انتہائی کرب ناک حالات کا سامان کرنا پڑا تو حکیم صاحب نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خاں کو ملتان بلا کر مسئلہ انہدام قبور پر ان سے تقاریر کرائیں۔

اپنے عہد نظامت کے آخر، یعنی ۱۹۳۶ء تک متواتر ہر سال سالانہ جلسے اور پھر درمیان میں ضمنی اجلاس اور مخالفین کے ساتھ مناظروں کی صورت میں اجتماعی اجلاس اپنے زیر نظامت منعقد کراتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں شیخ عبدالرشید صدیقی کو انجمن اہل حدیث (ملتان) کا ناظم منتخب کیا گیا۔ انھوں نے بھی اپنے دور نظامت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ آخر عمر تک اس تنظیم کے صدر رہے۔ انھوں نے جماعتی و مسلکی کاموں میں دل جمعی کے ساتھ حصہ لیا اور بڑی اہم خدمات سرانجام دیں۔ مولانا موصوف کے اخلاف کو چاہیے کہ انجمن اہل حدیث ملتان کے اجلاسوں کی کارروائی مرتب کر کے شائع کریں یا پھر کسی صاحب ذوق کو عطا کر دیں تاکہ وہ اسے منظر عام پر لائے۔ مولانا عبدالحق ملتانی ۶ فروری ۱۹۱۱ء کو ثنائی غزنوی نزاع کے درمیان مصالحت کی غرض سے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، حافظ عبداللہ غازی پوری، حاجی عبدالغفار دہلوی، مولانا حکیم خدا بخش فارانی اور حاجی نور محمد فیروز پوری ایسے احباب کے ہمراہ امرتسر پہنچے اور بعد ازاں ان احباب کی مساعی حسنہ سے مصالحت ہو گئی۔

منظرہ رفع الیدین میں شرکت:

۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء مطابق ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کو احناف اور اہل حدیث کے درمیان مسئلہ رفع الیدین پر جلال پور پیر والا میں مناظرہ ہوا جس کا پس منظر مولانا عبدالعزیز مناظر ملتانی نے یوں بیان فرمایا ہے:

”ناظرین باتمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ آج کل اسلام

پر کفر کے حملے چاروں طرف سے ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اس وقت اپنے فروعی مسائل نہ کر کے رکھ دیتے جب حملہ کفار سے فرصت پاتے تو ان کو دیکھ لیتے۔ لیکن مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ علماء کو کفار کی طرف توجہ نہیں، لہذا وہ ایسے مسائل میں جو امت محمدیہ میں تواریث چلے آ رہے ہیں، چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں، چنانچہ قصبہ جلال پور پیر والا، ضلع ملتان، پنجاب میں چند اہل حدیثوں نے تبلیغی جلسہ کرنا چاہا تو احناف کے مفتی مولوی محمد عاقل نے اعلان کیا کہ رفع الیدین عند الركوع مکروہ ہے۔ اس پر بات بڑھتے بڑھتے مباحثہ کی ٹھہری۔ خاکسار (مولانا عبدالعزیز ملتانی) کو جماعت اہل حدیث (ملتان) نے مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ مناظرہ کے لیے تشریف لائیں کیونکہ احناف نے اپنے اشتہار میں دو بڑے عالموں کا نام لکھ دیا تھا، یعنی جناب مولانا مرتضیٰ حسن رحمہ اللہ، دیوبندی اور جناب مولانا غلام محمد گھوٹوی (استاد الحدیث جامعہ عباسیہ، بہاول پور)۔ یہ دونوں بزرگ احناف میں بڑی چوٹی کے عالم ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب بعد قیل وقال آخر مان گئے اور تشریف لائے۔ دہلی سے مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی رحمہ اللہ اور ملتان سے ہمارے استاد محترم مولانا ابو محمد عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ (صدر جماعت اہل حدیث، ملتان) اور بہاول پور سے جناب مولوی عبدالرحمن رحمہ اللہ جمع ہوئے۔ افسوس کہ مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کی صحبت سے ہم مستفیض نہ ہو سکے اور مولانا غلام محمد گھوٹوی موصوف ہی مناظرہ میں پیش ہوئے۔

یہ مناظرہ ۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو چار بجے شروع ہوا۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری صاحب رحمہ اللہ نے اپنے دعوے پر ترمذی، ابوداؤد اور صحیح بخاری سے احادیث نقل کیں اور بزرگان احناف کے اقوال بھی سنائے جو رفع الیدین کے قائل تھے۔ اس کے بعد جوہوا وہ منصف صاحب (دیوان

محمد غوث، سجادہ نشین جلال پور) کے فیصلے میں درج ہے۔“
(اخبار اہل حدیث امرتسر، ج: ۲۵، شمارہ ۵۰، مؤرخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء مطابق ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ، بہ حوالہ محدث جلال پوری، ص: ۷۸)

احناف نے اس مناظرے کے لیے اشتہار شائع کیا جس جلسے اور مناظرے کا اعلان تحریر تھا۔

جماعت اہل حدیث نے کوئی اشتہار بازی نہ کی، البتہ انجمن اہل حدیث نے جناب سید علی اکبر شاہ رحمہ اللہ کی زیر صدارت ایک اجلاس بہ تاریخ ۴/ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۲۸ء میں منعقد کیا جس میں جلسے کی منظوری بایں الفاظ دی:

”باتفاق رائے پاس ہوا کہ جلسہ کیا جائے اور علمائے ذیل کو مدعو کیا جائے: مولوی ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ وغیرہ۔“ (رجسٹر روداد انجمن اہل حدیث، ص: ۴ بہ حوالہ محدث جلال پوری)

یہ مناظرہ طے شدہ وقت پر ہوا اور اس مناظرے میں جماعت اہل حدیث کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح فتح ہوئی اور دیوان محمد غوث نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

”میں اپنے پروردگار کو حاضر ناظر جان کر اپنے ایمان سے فیصلہ دیتا ہوں کہ رفع الیدین فعل رسول ﷺ ہے اور سنت ہے۔ دستخط: دیوان محمد غوث، منصف مناظرہ جلال پور، مؤرخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء۔“

اس مناظرے کی روداد دیکھنے کے لیے مولانا عبدالعزیز ملتانی ملتانی کی تالیف ”استیصال التقلید“ (ص: ۱۱۳) و سوانح محدث جلال پوری (ص: ۷۸ - ۹۳) از مولانا محمد رفیق اثری کی طرف مراجعت کریں۔

اس مناظرے میں ہمارے ممدوح مولانا عبدالحق محدث ملتانی صدر انجمن اہل حدیث (ضلع ملتان) نے شرکت فرمائی اور مناظرین کو مفید مشوروں سے نوازا۔ جماعت اہل حدیث کی طرف سے مناظرہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے اور مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی اور مولانا ملک عبدالعزیز ملتانی رحمہ اللہ ان کے معاون تھے۔

مناظرے کا فیصلہ اہل حدیث کے حق میں ہوا جس کے مفید اثرات علاقے میں نمایاں ہوئے اور جماعت اہل حدیث کو بڑی تقویت ملی۔ حق کا بول بالا ہوا اور باطل سرنگوں ہوا۔

فتویٰ نویسی اور تالیفی خدمات

۱۔ تفسیر قرآن:

مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ کا اکثر وقت درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور انجمن اہل حدیث کی بھاری ذمہ داریوں میں گزرا، اس لیے وہ تالیف و تصنیف کی طرف کامل توجہ نہ کر سکے، البتہ مولانا موصوف سلسلہ وار درس قرآن بزبان فارسی تحریر کرتے رہے جس کا آغاز آپ کے والد گرامی قدر مولانا سلطان محمود ملتانی رحمہ اللہ نے کیا تھا۔ مولانا سلطان محمود ملتانی رحمہ اللہ نے ہفتہ وار درس قرآن کا سلسلہ ابتدائے قرآن سے شروع کیا تھا۔ مولانا موصوف یہ درس قرآن فارسی زبان میں نہایت خوش خطی کے ساتھ زیب قرطاس کرتے تھے لیکن وہ اسے پورا نہ کر پائے تھے کہ وقت اجل آپہنچا۔ ان کے بعد ہمارے ممدوح مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ نے اس سلسلے کو حسب سابق آگے بڑھایا لیکن کثرت مشاغل کی بنا پر وہ بھی اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ پھر ان کے صاحب زادے ہمارے شیخ مولانا شمس الحق ملتانی رحمہ اللہ نے اسی مقام سے اور اسی نہج سے تفسیر قرآن کا سلسلہ آگے جاری رکھا تا آنکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان مبارک مواعظ کی کئی صفحات پر مشتمل ایک تفسیر قرآن مجید مکمل کروادی۔

راقم ناچیز نے یہ تفسیر قرآن اپنے شیخ مولانا شمس الحق محدث ملتانی رحمہ اللہ کی لائبریری میں بہت نازک حالت میں دیکھی ہے۔ مولانا موصوف کے صاحب زادے مولانا ابراہیم خان نے ہمیں اس تفسیر کی زیارت کروائی اور یہ بھی بیان کیا کہ اس کا آدھا حصہ ہمارے بھائی مولانا ادریس زبیر آف اسلام آباد کے پاس ہے۔ جو حصہ ہم نے ملاحظہ کیا وہ انتہائی باریک اور خوب صورت خط میں تحریر تھا۔ یہ ایک بڑی علمی کاوش ہے جو ضائع ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خاندان کے کسی ”رجل رشید“ کو ہمت و توفیق بخشے کہ وہ ان تین علمائے کرام کی محنت و کوشش کو محفوظ کر کے منظر عام

شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کی فقہی کتب پر بہت عبور حاصل تھا۔ اور پھر فتاویٰ لکھنے میں بفضلہ تعالیٰ اتنی مہارت حاصل تھی کہ ملتان کے قدیم مفتی اور حنفی علمائے کرام بھی اپنے سے فتویٰ پوچھنے اور لکھوانے والے سائلین کو حضرت مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھجواتے اور ان سے فتاویٰ کو مرتب کرا کر فتویٰ طلب کیا کرتے اور ان کی تائید میں خود ”الجواب صحیح“ سے اپنے قلمی دستخط ثبت کرتے تھے۔“ (ہفت روزہ الاعتصام: ۵ مارچ ۱۹۷۱ء)

اس سے مولانا کا علمی مقام و مرتبہ خوب ظاہر ہو جاتا ہے کہ مولانا ملتان میں دارالافتاء کے اعلیٰ رتبے پر فائز تھے۔

آپ کے بارے میں قاضی المسلم سیف صاحب لکھتے ہیں: ”میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے علم و مطالعہ، وسعت معلومات اور اصابت رائے پر بہت اعتماد رکھتے تھے۔ باہر سے جب کوئی استفتا آتا تو وہ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیتے تھے کہ اس کا جواب لکھ دو، چنانچہ مولانا عبدالحق صاحب اس کا جواب لکھ کر لے جاتے اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تصدیقی دستخط ثبت کر دیتے تھے۔ ”فتاویٰ نذیریہ“ میں کتنے ایسے فتاویٰ ہیں جن پر مولانا عبدالحق کا نام لکھا ہوا ہے اور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان پر تصدیق درج ہے۔ مولانا کا فتویٰ جامع ہوتا تھا۔“ (تحریک اہل حدیث، ص: ۴۳۰)

غرض مولانا عبدالحق فتویٰ نویسی میں عظیم مقام رکھتے تھے۔ یہ خوبی آپ کی توارث تھی۔ آپ کے والد محترم بھی بڑے گرامی قدر مفتی تھے۔ غیر اہل حدیث بھی ان کے فتاویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی مقام ہمارے مدوح مولانا عبدالحق کو بھی حاصل تھا۔

ہمارے پاس اب ان کے تحریری نقوش میں تفسیر قرآن مجید اور فتاویٰ مکتوبہ در فتاویٰ نذیریہ یادگار کے طور پر ہیں۔ تفسیری خدمت ان کے خلاف کو کمپوز کروا کے شائع کرنی چاہیے۔ ”فتاویٰ نذیریہ“ میں آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ ان شاء اللہ ہم الگ صورت میں تحقیق و تخریج

پر لانے کی سعی کرے تاکہ اس سے لوگ مستفید ہو سکیں۔ واللہ ہو الموفق

۲۔ مولوی محمد یار گڑھوی کا رد:

سابقہ اوراق میں ہم نے تحریر کیا تھا کہ ایک بدعتی مولوی محمد یار گڑھوی نے توحید باری تعالیٰ اور صفات الہی کے خلاف ملتان کی ایک معروف دربار میں بیٹھ کر یاواگوئی کی اور اس نے جماعت اہل حدیث کو لاکارا۔ اس پر داعی توحید مولانا عبدالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے بحث مباحثہ اور تحریری صورت میں اس مولوی مسکت جواب دیا جس کے چرچے پورے ملتان میں زبان زد عام تھے۔

مولانا عبدالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل اور نور و بشر ایسے مسائل پر برجستہ دلائل سے بھرپور تحریری جوابات اور اشتہارات شائع کیے۔ تحریری جوابات کو عوام الناس میں تقسیم کروایا اور اشتہارات اہم مقامات پر آویزاں کیے گئے۔

مولانا موصوف کا یہ بھی ایک اہم تحریری کام تھا لیکن افسوس یہ تحریری مواد ابھی تک نہیں مل سکا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا

۳۔ فتویٰ نویسی:

مولانا عبدالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الکل علامہ سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ بہت سے فتاویٰ ”فتاویٰ نذیریہ“ میں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق کے ساتھ درج ہیں۔ آپ کے بارے میں شیخ عبد الرشید صدیقی رقم طراز ہیں:

”جب بندہ نے شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو بچپن سے لے کر ۵۲ سال کی عمر تک حضرت مدوح مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے جمعہ کے مواعظ میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ اور ان سے میری دینی تربیت کا آغاز ہوا۔ حضرت موصوف اُس وقت ملتان اور علاقہ بھر میں ان چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے تھے جن کی کتابوں پر گہری نظر، تفاسیر اور احادیث رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نیز حنفیہ،

کے ساتھ شائع کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت و توفیق اور کامل صحت عطا فرمائے، آمین۔

راقم ناچیز یہ مضمون تحریر کر چکا تھا کہ ہمارے پیارے دوست مولانا فاروق الرحمن یزدانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان تشریف لائے۔ ہم نے مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد اور مکتبہ دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ راقم ایک مرتبہ پہلے بھی مولانا یونس شاد صاحب کے ہمراہ مکتبہ دیکھ آیا تھا۔ راقم نے مولانا عبدالحق ملتانی کے حفید محمد ابراہیم خاں سے رابطہ کیا کہ ہمارے دوست بڑی دور سے ہمارے پاس تشریف لائے ہیں اور وہ مولانا عبدالحق ملتانی و مولانا وشینا شمس الحق ملتانی کا مکتبہ دیکھنے کے متمنی ہیں۔ بڑی مشکل سے ہمیں صرف محلہ قالین بافاں کی قدیم مسجد اہل حدیث دیکھنے کی اجازت ملی، چنانچہ راقم لاشیء نے مولانا یزدانی صاحب کے ہمراہ مولانا سلطان محمود ملتانی اور مولانا عبدالحق ملتانی کی مسجد دیکھی۔

محترم مولانا یزدانی صاحب نے محمد ابراہیم صاحب کو توجہ دلائی کہ آپ کو عزت و شان و شوکت ان بزرگوں کی وجہ سے ملی ہے اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ان کی یادگار اشیاء بالخصوص لائبریری کا خیال رکھیں۔ ابراہیم صاحب موصوف نے اپنے کندھوں سے بوجھ اتارتے ہوئے کہا کہ یہ ذمہ داری بڑے بھائی اور یس زبیر اور انیس الحق کی بنتی تھی۔

محترم یزدانی صاحب نے بڑے پیار سے ان کو سمجھایا کہ آپ اس کو اپنے لیے سعادت سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی مسجد و مکتبہ کا متولی بنایا ہے۔ یہ رب کا انتخاب ہے، آپ کو خوشی محسوس کرنی چاہیے۔ مسجد دیکھنے کے بعد راقم نے مکتبہ دیکھنے کی التجا کی۔ محمد ابراہیم صاحب منت سماجت کے بعد صرف اس قدر قائل ہوئے کہ مسجد سے ملحق کمرے مولانا شمس الحق ملتانی کی کتب کی ایک الماری پڑی ہے وہ دیکھ لیں، باقی فی الحال ناممکن ہے۔ ہم نے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا۔

مسجد کی شرقی جانب طہارت خانے کے اوپر ایک کمرہ تھا، موصوف ہمیں وہاں لے گئے۔ کمرہ کھولا تو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے

یہاں کبھی کوئی آیا ہی نہ ہو۔ وہاں پر موجود گرد آلود چار پائیاں زبان حال سے شکوہ کننا تھیں۔ الماری کھولی تو اس میں قدیم کتب و مخطوطات دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔ خوشی اس بات کی کہ یہ ایک قیمتی خزانہ علمائے کرام نے جمع کیا تھا اور دکھ اس بات کا کہ اخلاف نے اس کی قدر نہ کی اور یہ ضائع ہو رہا ہے۔ یزدانی صاحب کتب نکال نکال دیکھتے رہے۔ راقم کو وہاں پر مولانا شمس الحق ملتانی اور مولانا شا کر ڈیروی وغیرہما علماء کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مخطوطات دیکھنے کو ملے۔ وہاں سے راقم کو ایک کپڑے کی تھیلی ملی جس میں مولانا عبدالحق ملتانی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ فتاویٰ جات اور ان کے نام مختلف علماء کے خطوط ملے جن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالحمد سوہدروی، مولانا محمد عین الدین، مولانا ابوبکی سوہدروی وغیرہم کے نام نمایاں ہیں۔

اسی طرح مولانا عبد الجبار بن عبد اللہ غزنوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ بھی وہاں سے ملا۔ ابھی ہم دیکھ ہی رہے تھے کہ نیچے سے واپسی کی آواز آگئی اور یوں ہم دوسری کتب دیکھنے سے محروم رہے۔ محترم ابراہیم صاحب کے ہم شکر گزار ہیں کہ انھوں نے ہمیں اپنے اسلاف کی مسجد اور کتابوں کی ایک الماری دیکھنے اور بعض فتاویٰ و خطوط نوٹ کاپی کروانے کی اجازت فراہم کی، جزاء اللہ خیر۔ (جاری ہے)

ضرورتِ رشتہ

ارائیں بیٹی، عمر ۲۳ برس، تعلیم ایف۔ اے، الہدی شریعہ کورس، کے لیے اہل حدیث ارائیں خاندان سے پڑھے لکھے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

بہ ذریعہ خط کتابت رابطہ کریں۔

حاجی محمد بشیر، گوجراں والا

معرفت ہفت روزہ الاعتصام، ۳۱۔ شیش محل روڈ، لاہور

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہم اعلان

اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل مکمل سیٹ مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل فوراً خوب صورت اور مدلل سات اشتہار کا ورژن ذیل سیٹ مفت زیر تقسیم ہے:

رابطہ بذریعہ فون

صبح 7 بجے سے

10 بجے تک

①..... کیا اللہ کے سوا کوئی اور شکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی دس شکلیں!

②..... نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت!

③..... نماز، روزہ کے محرمی دائمی اوقات! ④..... اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام! ⑤..... سورۃ فاتحہ خلف الامام!

⑥..... نبی ﷺ سے آئین ہاجر کا ثبوت! ⑦..... اثبات رفع الیدین!

ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات مکمل سیٹ مفت منگوائیں اور فریم کروا کر اپنے

زیر انتظام مساجد و دینی مراکز میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔

یہ اشتہارات مساجد و مراکز کی زینت اور مسائل حق کی ترویج کا بہترین و موثر ذریعہ ہیں۔ ڈاک خرچ ادارہ

خود برداشت کرے گا۔

(مولانا) محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان موبائل: 0333-8556473

ذوالحلیفہ انٹرنیشنل ٹریول اینڈ ٹورز

{خدمات حج و عمرہ کا بااعتماد ادارہ}

چیف ایگزیکٹو: حافظ عبدالرحیم مغل۔ رابطہ: 0300-6996215 / 0321-4114174

سپیشل آفر مکمل ٹرانسپورٹ

| سیک 1 | 27 دن | 21 دن | 15 دن | سیک 2 | 27 دن | 21 دن | 15 دن |
|---------|--------|--------|--------|---------|--------|--------|--------|
| 4-6 بیڈ | 34,000 | 30,000 | 25,500 | 4-6 بیڈ | 30,000 | 26,000 | 21,500 |
| 3 بیڈ | 40,000 | 35,000 | 29,000 | 3 بیڈ | 36,500 | 31,000 | 26,000 |
| 2 بیڈ | 54,000 | 45,000 | 35,000 | 2 بیڈ | 48,500 | 40,000 | 32,000 |

مکہ المکرمہ: حرم سے 400 میٹر فاصلہ

مدینۃ المنورۃ: 400 سے 500 میٹر

ٹکٹ اس کے علاوہ ہے۔

ایڈریس: ریلوے روڈ، نزد گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی، لاہور۔ فون: 042-37381262

حمد

ترے چراغ سے سارا مکان روشن ہے
ازل کی خاک، ابد کی چٹان روشن ہے
یقین کا شعلہ ہے زندہ، گمان روشن ہے
گھنی ہے چھاؤں مگر سائبان روشن ہے
ہوا ہے شمع بہ کف، بادبان روشن ہے
جہت جہت سے مکاں لا مکان روشن ہے
کہ ہفت رنگ دھنک کی کمان روشن ہے
ورق ورق وہی اک داستان روشن ہے
چمن چمن، نفس باغبان روشن ہے
کوئی زمیں ہو، ترا آسمان روشن ہے
کہ بے چراغ بھی ہر شمع دان روشن ہے
یہ کس بلندی پہ تیرا نشان روشن ہے
مرے لبوں پہ جو حرف اذان روشن ہے
ترے کلام سے سب کی زبان روشن ہے

نظر شگفتہ، دل آسودہ، جان روشن ہے
شفق شفق ہیں مکاں لا مکان یوں تجھ سے
تجھی سے گرم ہے امکان و عرش کا پہلو
طلسم شب بھی ترا، عشوہ سحر بھی ترا
سیہ، مہیب سمندر مگر کرم تیرا
تو آئینہ بھی ہے، چہرہ بھی، عکس لرزاں بھی
ہیں تیرے ترکش قدرت میں کس غضب کے تیر
لکھا ہے جس کو ترے خاتمہ مشیت نے
وہ طور کا ہو شجر، یا حرا کے برگ و ثمر
عصائے نیل شکن ہو کہ دست ماہ شگاف
شہود و غیب کے اسرار ہیں کہ پرتو زار
تری کشش بنی معراج کا بہانہ مجھے
اک اعتراف ہے شان الوہیت کا تری
محمدؐ عربی ہوں کہ جبریلؑ و خلیلؑ

بہ وصفِ بے ہنری، لکھ رہا ہوں حمد تری
قلم ہے خوشنہ پرویں، بیان روشن ہے

(فضا بن فیضی)